ISHAAT ACADEMY

اتباع سنت اور رد بدعت پر عام فہم کتاب

سبیل السنۃ لرد البدعۃ

یعنی اہمیت سنت اور تردید بدعت

تالیف:

مولانا مفتی محمد ایاز صاحب حفظہ اللہ

العلم پبلیکیشنز

العلم پبلیکیشنز

عبدالغنی پلازہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور شہر

091-2580325 - 2590315

0333-4532836 / 0332-9241690

سبیل السنۃ لردّ البدعۃ

ابو معاویہ مولانا مفتی محمد ایاز حفظہ اللہ

العلم پبلیکیشنز، محلہ جنگی پشاور
091-2590315

فہرست مضامین

مقدمہ	180
ہمارا دین کامل و مکمل ہے	186
سنت کی اہمیت اور مقام و مرتبہ	190
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا معیار	191
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری فرض ہے	193
نیک عمل کا صحیح مطلب	196
تابعداری چھوڑنا ایمان کے خلاف ہے	198
دو صورتیں	203
سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تابعداری	205
بدعت کی قباحت	209
بدعت کا معنی و مطلب	212
بدعت اور فسق میں فرق	215
چند مشہور بدعات اور رسومات	217
ذکر اور دعا	219
ذکر بالجہر	220
سنتوں کے بعد اجتماعی دعا	222
حیلۂ اسقاط	227
عرس اور میلاد منانا	231
ایصال ثواب کے لیے دن مقرر کرنا	234
نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا	237
محرم کی بدعات و خرافات	239
ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو چوری کرنا	243
رجب میں کونڈوں کی بدعت	245

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْاَتْقِیَآءِ اَمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ نے جب سے انسان کو پیدا کیا اور اِس دنیا میں بھیجا ہے تو اُسی دن سے زندگی گزارنے کے لیے ایک قانون، آئین اور دستورِ حیات بھی ساتھ بھیجا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ [بقرہ: ۳۰]

"جب تمہارے رب نے فرشتوں سے (بطور اعلان) کہا کہ میں اس دنیائے ارض پر ایک خلیفہ (حاکم، فیصلہ کرنے والا، اپنا قانون نافذ کرنے والا) پیدا کر رہا ہوں"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں خلیفہ مقرر کرنے کی غرض سے پیدا فرمایا اور کچھ وقت تک جنت میں مع اپنی بیوی حوا علیہا السلام کے رکھا۔ پھر جب مقررہ وقت تک جنت (باغ) میں رہنے کے بعد اپنی ڈیوٹی پر پہنچانے کے لیے زمین پر بھیجا تو اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے ایک دستورِ حیات بھی ساتھ دیا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ [بقرہ: ۳۸]

"ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے چلے جاؤ! پس اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت (کتاب، دستورِ حیات) آجائے تو جس نے میری اِس ہدایت کی تابعداری کی اُس پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی وہ (پچھلی زندگی پر) غم زدہ ہونگے"۔

دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ [اعراف: ۳۵]

"اے آدم علیہ السلام کی اولاد جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آئیں اور ہماری آیات تم

کو سنایا کریں (تو اُن پر ایمان لانا کیونکہ) جو شخص اِن پر ایمان لا کر اللہ سے ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت یعنی عمل درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ تو کچھ خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہونگے"۔

غرض یہ ہدایت و آیاتِ خداوندی وقتاً فوقتاً مختلف انبیاء علیہم السلام کے ذریعے کبھی صحیفوں اور کبھی کتابوں کی صورت میں آتی رہی حتیٰ کہ آخری آسمانی کتاب اور انسانوں کے لیے مکمل ضابطۂ حیات" قرآن" نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

[مائدہ: ۳]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا"۔

اور ساتھ ہی قرآن کے معلّم اور شارح اوّل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بھیجا جیسا کہ ارشاد ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ [عمران: ۱۶۴]

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور اللہ کی کتاب اور سنت سکھاتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے"۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُسوۃ حسنہ (عمل وسنت) کے ذریعے اس قانون خداوندی یعنی قرآن کی تشریح اور وضاحت کر کے دکھائی۔ اس بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ [نحل: ۴۴]

"اور ہم نے تمہاری طرف ذکر یعنی قرآن اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اس نازل کی گئی کتاب کی تشریح اور وضاحت کریں تاکہ یہ اس کو سوچیں سمجھیں"۔

اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندگی گزارنے کے لیے قانون و دستور قرآن وسنت کی شکل میں موجود ہے تو ہمیں اِس کے مطابق ہی دنیا میں زندگی گزارنا چاہیے نہ کہ اپنی مرضی اور اپنے بنائے ہوئے طریقے اور قانون کے مطابق۔ اسی کا نام دینِ اسلام ہے اور شریعتِ اسلام کی بنیاد چار چیزوں پر استوار ہے۔

(۱) قرآن

(۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (احادیث صحیحہ)

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل

(۴) اور سلف صالحین رحمہم اللہ وائمہ مجتہدین کا (قرآن و سنت کی روشنی میں) قیاس واجتہاد

اب اگر کوئی قول و فعل [بات اور کام] دین کے ان چار اُصول میں موجود ہو تو وہ دین اور ثواب ہے اس پر چلنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ [نساء : ۵۹]

"اے ایمان والو! اللہ کی تابعداری اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اُولی الامر کی بھی تابعداری کرو پس اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔"

ابو عبداللہ میمون بن مہران الحرومی رحمۃ اللہ علیہ جو فقہاءِ تابعین رحمہم اللہ میں سے ہیں اس آیت (فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ) کے بارے میں کہتے ہیں۔

اَلرَّدُّ اِلَى اللّٰهِ اِلٰى كِتَابِهٖ وَالرَّدُّ اِلٰى رَسُوْلِهٖ اِذَا قُبِضَ اِلٰى سُنَّتِهٖ

[کتاب الباعث لرد الحوادث : ۷]

"اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے سے مراد قرآن کی طرف رجوع کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جانے سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی تابعداری سے مراد قرآن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے مراد سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُولی الامر سے مراد دو مؤخر الذکر [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین وآئمہ مجتہدین رحمہم اللہ] ہیں۔

مفسر قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اُولی الامر کی تشریح یوں منقول ہے:

يَعْنِيْ اَهْلُ الْفِقْهِ وَالدِّيْنِ (اِلٰى اَنْ قَالَ) فَاَوْجَبَ اللّٰهُ طَاعَتَهُمْ [مستدرک: ۱/۱۲۳]

ان سے اہلِ فقہ اور اہلِ دین [صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ] مراد ہیں۔ [آگے فرماتے ہیں کہ] اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت واجب فرمادی ہے۔

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اُولُوا الْاَمْرِ اُولُوالْعِلْمِ وَالْفِقْهِ۔ [دارمی: ۴۰]

اُولی الامر سے اہلِ علم اور اصحابِ فقہ مراد ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

"بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) پھر ان کے بعد والے (تابعین رحمہم اللہ) اور پھر ان کے بعد والے (تبع تابعین رحمہم اللہ)"۔

دوسری روایت جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں ارشاد ہے:

اُوْصِيْكُمْ بِاَصْحَابِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبَ

[مستدرک: ۱/ ۱۱۴، ابوداؤد طیالسی: ۷]

"میں تمہیں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ اِن کے نقش قدم پر چلنا) پھر اُن کے بارے میں وصیت کرتا ہو جو اِن سے ملتے ہیں (تابعین

رحمہم اللہ) پھر اُن کے بارے میں جو اِن سے ملتے ہیں (تبع تابعین رحمہم اللہ) اور پھر (اِن تین زمانوں کے بعد) جھوٹ عام ہو جائے گا"۔

اب اگر کوئی کام و عمل اِن چار اُصولوں سے ثابت نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو تو وہ دین کے بجائے بے دینی، گمراہی اور بغاوت ہے جس سے بچنا ہمارے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔ [انعام: ۱۵۳]

"اللہ کے دین (قرآن وسنت اور اولی الامر) کے بغیر دوسری چیزوں اور راستوں پر مت چلو ورنہ اللہ کے دین سے گمراہ ہو جاؤ گے"۔

یہی اصل بات ہے گمراہی سے بچنے کی، کیونکہ اکثر لوگ دین کے اِن چار اُصولوں کو معیار نہیں سمجھتے تو وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی دینی فعل کو ان چار چیزوں سے معلوم کرنے کی بجائے اپنی خواہش، آباء واجداد اور غیروں کی باتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اُسے معیارِ حق سمجھتے ہیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ [مائدہ: ۱۰۴]

"اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اور شریعت اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے اُس کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ جس طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے (لیکن اللہ تعالیٰ اِن کی اِس بات پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں) بھلا اگر ان کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں یعنی بے علم ہوں اور نہ ہی سیدھے راستے پر ہوں۔ تو کیا پھر بھی یہ لوگ اُن کے پیچھے جائینگے؟"۔

بہر حال ہر کام کو قرآن وسنت، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کو معیار بنا کر کرنا چاہیے اور یہی اہل سنت والجماعت والوں کا طریقہ ہے۔ افسوس آج کل ہر کوئی شرکیات وبدعات اور رسومات میں مبتلا اپنے آپ کو اہل السنت والجماعت کہلواتا ہے جبکہ وہ اہل سنت سے کوسوں

دور ہے۔اہل سنت بدعات ورسومات کرنے والے کو نہیں کہا جاتا بلکہ متبع سنت کو کہتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَعَلَى الْمُؤْمِنِ اِتِّبَاعُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَالسُّنَّةُ مَاسَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَالْجَمَاعَةُ مَااِتَّفَقَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ فِي خِلَافَةِ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ۔ [غنیۃ الطالبین: ۲۹۵]

"مومن پر اہل سنت وجماعت کی پیروی لازم ہے۔سنت وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (قولاً، فعلاً، تقریراً) مسنون قرار دی ہو اور جماعت وہ (احکام ہیں) جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں اتفاق ہوا ہو"۔

اسی طرح علامہ سید سند علی بن محمد الجرجانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مَذْهَبُهُمْ خَالٍ عَنْ بِدَعٍ هٰؤُلَاءِ۔ [شرح مواقف: ۷۶۴]

"اہل سنت وجماعت کا گروہ ہی ایسا ہے جن کا مذہب بدعات سے خالی ہے۔"

اس کو کہتے ہیں اہل سنت والجماعت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت کے پابند اور ہر قسم کی بدعات سے پاک وصاف اور بچنے والے ہوں، نہ کہ صرف اہل سنت نام رکھ کر بدعات کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہوں۔

ہمارا دین کامل و مکمل ہے۔

دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارا دینِ اسلام کامل و مکمل اور جامع ہے نہ اس میں زیادتی کی گنجائش ہے نہ کمی کی۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندگی گزارنے کے تمام طریقے ہمیں بتا چکے ہیں۔ خواہ اِن کا تعلق عقیدے سے ہو یا عبادات سے، معاملات سے ہو یا عادات سے، معاشرت سے ہو یا سیاست وریاست سے، غمی سے ہو یا شادی سے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کامل دین دیا ہے کہ اس میں ایسی کوئی کمی نہیں جسے ہمیں پورا کرنے یا اپنی طرف سے کچھ بنانے کی اجازت اور گنجائش ہو۔

دینِ اسلام کے کامل ہونے کا اعلان اللہ تعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی یہ آیت نازل کرکے کیا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ [مائدہ: ۳]

یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل (پورا) کر دیا اور جامع ہونے کا ثبوت تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (دین کے ہر مسئلے کی واضح اور کھلی دلیل ہے) سے پیش فرمایا ہے۔ ان دو ارشاداتِ خداوندی سے دین اسلام کا کامل وجامع ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ دین دو چیزوں علم اور عمل کا مجموعہ ہے۔ علم نام ہے قرآن کا اور عمل نام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، سیرت اور اُسوۂ حسنہ کا، اور ظاہر ہے کہ جب دین علم اور عمل کا مجموعہ ہے اور علم و عمل قرآن وسنت کا نام ہے تو پھر دین کے کامل و جامع ہونے کا معنی اس کے سواء اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اس دین کا علم بھی اور عمل بھی کامل و جامع ہیں۔ عمل (سنت) اس لیے کامل وجامع ہے کہ عمل اُس قرآنی علم کی روشنی میں کیا گیا ہے جو اس دین کا اساسی سرچشمہ ہے جس کی کاملیت اور جامعیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَمَا اِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ قُلْتُ مَاالْخُرُوْجُ مِنْھَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ کِتَابُ اللّٰہِ ۔ فِیْہِ نَبَاءُ مَاقَبْلَکُمْ وَخَبَرُمَابَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَابَیْنَکُمْ۔ [مشکوٰۃ]

"کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگو! عنقریب عظیم فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت اس فتنے سے نجات کا کیا ذریعہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ اس لیے کہ اس میں پہلے لوگوں کے احوال اور آئندہ ہونے والے اُمور کی خبریں اور تمہارے آپس کے اختلاف کا حل و فیصلہ موجود ہے۔"

اور دوسری وجہ عمل کے کامل و جامع ہونے کی یہ ہے کہ اس عمل کا سرچشمہ اُسوۂ حسنہ ہے جس کے کرنے والی ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ [احزاب: ۲۱]

علم (قرآن) اس لیے کامل و جامع ہے کہ جب اس سے کیا ہوا عمل اتنا کامل ہو تو اصل یعنی علم تو ضرور کامل و جامع ہوگا۔ پھر دین کا یہ کمال اور جامعیت صرف علم یا صرف عمل سے خاص نہیں کہ دین کا عمل صرف کامل ہو اور علم میں کچھ کمی ممکن ہو سکتی ہو، یا صرف علم مکمل ہو اور عمل میں کمی رہ گئی ہو۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ قانون تو کامل ہو اور اس سے پیدا شدہ عمل ناقص اور نامکمل یا اس کے برعکس۔ پس ایک کی تکمیل دوسرے کی تکمیل کے لیے لازم و ملزوم ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "کَانَ خُلُقُہُ اَلْقُرْاٰنَ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اخلاق کا تعلق عمل سے ہے۔ اس لیے حاصل یہ ہوا کہ کتاب و سنت میں جو تمام دین علمی شکل میں موجود ہے وہی چیزیں ذاتِ نبوی صلی اللہ

علیہ وسلم میں عملی صورت میں موجود تھیں۔ اور جن باتوں کو قرآن اُصول و اقوال کی شکل میں پیش کرتا ہے انہی باتوں کو ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال و افعال اور احوال کی شکل میں نمایاں کرتی ہے۔

پس قرآن کا کہا ہوا آپ کا کیا ہوا ہے اور آپ کا کیا ہوا قرآن کا کہا ہوا ہے اور یہ دونوں حقیقتیں ایک دوسرے پر اس طرح منطبق اور برابر ہیں کہ نہ عملِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے ادنیٰ درجہ منحرف ہے اور نہ ہی علمِ قرآنی عملِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرہ برابر متجاوز ہے۔ ورنہ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ کا اور کوئی معنی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جس طرح قرآن کے بعد نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے کسی جدید نمونہ علم کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی نئی کتاب یا صحیفہ کی صورت میں نازل ہو، ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے بعد کسی نئے نمونہ عمل کی ضرورت بھی نہیں کہ اس کو لے کر کوئی مبعوث ہو یا اپنی طرف سے کچھ بنا کر اختراع و ابتداع کی صورت میں عمل کا کوئی نیا ڈھنگ اور نیا رُوپ خود سے دین میں نکالے۔ کیونکہ اگر اس دین کے علم یا عمل میں کمی بیشی کی گنجائش ہو تو یہ دین، دینِ کامل و جامع نہیں کہلایا جاسکتا۔ حالانکہ قرآن و حدیث اس کے کامل اور جامع ہونے کے دعوے دار ہیں۔

اس صورت میں اس دینِ کامل کو ماننے کا معنی صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے علم و عقیدہ کو بھی بلا کسی کمی بیشی اور بغیر اِدھر اُدھر جھکے ہوئے یک رُخی کے ساتھ مانا جائے کہ اسی کا نام اخلاص و توحید ہے اور اس کے نمونہ عمل یعنی اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی، بغیر بدعات اور رسم و رواج کی آمیزش اور ایجاد و اختراع کے، یکسوئی کے ساتھ عملاً قبول کیا جائے کہ اسی کا نام اتباعِ سنت ہے۔ اس لیے اس دین کے کامل و جامع ہونے کی وجہ اس کے دو تقاضے ہوئے۔ ایک اخلاص اور دوسرا اتباع۔ اخلاص للہ سے عقیدہ و عمل خالص ہوتا ہے اور بعینہٖ وہی رہتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور اتباع (سنت کی تابعداری) سے عقیدہ و عمل باصواب ہوتا ہے اور ٹھیک اُس نمونہ کے مطابق رہتا ہے جو اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھلایا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہی دو اصلیں (توحید وسنت) دین کی بقاء و حفاظت اور انسان کی صلاح و فلاح کی ضامن ہو سکتی ہیں۔ اگر اس میں کمزوری رہ جائے گی تو اسی حد تک ان کی ضدیں (شرک و بدعت) اُبھر کر دین کو فاسد بنا دے گی۔ اگر اخلاص و توحید میں کمی آئے گی تو دین و ایمان میں اسی حد تک اس کی ضد (شرک) کی آمیزش ہو جائے گی جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۔ [یوسف: ۱۰۶]

یعنی اکثر لوگ ظاہری ایمان لانے کے ساتھ ساتھ مشرک بھی ہوتے ہیں جیسے آج کل کے جاہل اور دین وقرآن سے بے خبر لوگ اور اگر اتباعِ سنت میں کمی آجائے گی تو اسی حد تک بدعت کا راستہ ہموار ہو جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔ [مشکوۃ: ۳۱ رواہ احمد]

"کسی بھی قوم نے کوئی بدعت (دین میں) ایجاد نہیں کی حتیٰ کہ اس کی مثل سنت اس قوم سے اٹھا نہ لی گئی ہو۔ پس نئی نئی بدعات نکالنے کی بجائے سنت کو تھامے رہنے میں ہی خیر وعافیت ہے"۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جیسے دین کی صلاح و فلاح کی دو اصلیں ہیں، اخلاص اور اتباع۔ ایسے ہی دین کے فساد کی بھی دو ہی اصلیں ہیں جو ان دو کی ضد ہیں شرک اور بدعت۔ پس جیسے اخلاص و اتباع کے ہوتے ہوئے دین کبھی ضائع نہیں ہو سکتا، ایسے ہی شرک و بدعت کے ہوتے ہوئے دین کبھی بھی باقی نہیں رہ سکتا۔

سنت کی اہمیت اور مقام و مرتبہ

اس لیے قرآن و حدیث میں توحید وسنت کے بیان اور شرک و بدعت کی تردید پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جس طرح توحید وشرک کی پہچان کے بغیر ایمان، ایمان نہیں رہتا اسی طرح سنت و بدعت کے امتیاز کے بغیر عمل اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔ [فاطر: ۱۰]

"اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات (توحید) چڑھتے ہیں اور (سنت کے مطابق) نیک عمل بلند ہو کر شرفِ قبولیت پاتے ہیں۔"

اس اہمیت کی بناء پر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلائے توحید و رد شرک کے بعد جتنا زور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رد بدعت پر دیا ہے شائد ہی کسی اور مسئلے پر دیا ہو۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و محبت کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر منحصر کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ [آل عمران: ۳۱]

"ان سے کہو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری راہ چلو (یعنی میری تابعداری کرو) تو اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

اگر کوئی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے یا محبت کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تابعداری کرنا لازمی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور اُس کے نقشِ قدم پر چلنے کے بغیر کوئی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب نہیں بن سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا معیار:

آج کل اکثر لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بڑے بڑے دعوے کرتے، اپنے آپ کو محبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے موسوم پھرتے ہیں۔ جبکہ ان کی شکل وصورت، قول وفعل اور ہر کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت کے خلاف نظر آتا ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مقابل میں اپنے بنائے ہوئے طریقوں، بدعات اور رسومات پر کاربند ہیں۔اس لیے ان کا یہ دعویٰ سراسر غلط، جھوٹ اور دھوکہ ہے۔ مشہور حنفی مفسر امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرِ مدارک میں سورۃ ال عمران آیت ۳۱ کے تحت لکھا ہے۔

فَمَنِ ادَّعٰی مُحَبَّتَهٗ وَخَالَفَ سُنَّةَ رَسُوْلِهٖ فَهُوَ كَذَّابٌ وَكِتَابُ اللّٰهِ يُكَذِّبُهٗ

"جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتا ہو اور (عمل میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالف ہو تو وہ آدمی اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اسے جھوٹا کہتی ہے۔"

پھر لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کسے کہتے ہیں؟

هِيَ اِتِّبَاعُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَحْوَالِهٖ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال میں تابعداری کرنا ہے۔"

یہ ہے اصل محبت اور اس کی حقیقت۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دعویٰ تو محبت کا ہو اور کام محبوب کے مرضی کے خلاف جو دل میں آئے کرتے رہیں۔ بقول شاعر

اِنْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ ۔۔۔ لِاَنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

اگر تم اپنی محبت میں سچے ہوتے تو تم (اپنے محبوب) کے ضرور تابعدار ہوتے۔ کیونکہ قانون یہ ہے کہ محب (محبت کرنے والا) اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔

خود صاحبِ نبوت محبوبِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ۔

[مشکوٰۃ باب اعتصام بالکتاب والسنۃ]

"جس نے میری سنت (طریقے) سے محبت کی پس یقیناً اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔"

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سو فیصد سنت کے تابعدار ہونے کی وجہ سے حقیقی محبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ ذرا برابر بھی سنت تو سنت مستحب عمل کو بھی چھوڑنے کو تیار نہ تھے، جن کی مثالوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیاں بھری پڑی ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جانثار صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا ہے، جو رازدارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہیں، جب مسلمانوں نے کسریٰ ایران پر حملہ کیا تو کسریٰ نے مذاکرات کی پیش کش کی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ دربار میں گئے تو اِن کی خاطر مدارت کے لیے کچھ کھانے پینے کی اشیاء بھی لائی گئیں۔ کھانے کے دوران حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک نوالہ زمین پر گر پڑا تو فوراً حدیث یاد آگئی۔

اِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ اَحَدِکُمْ فَلْیَاْخُذْهَا فَلْیَمُطْ مَاکَانَ بِهَامِنْ اَذًی وَلْیَاْ کُلْهَا وَلَایَدَ عَهَا لِلشَّیْطَانَ۔ [ترمذی]

"اگر کھانے کے دوران تم میں سے کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو اُسے چاہیے کہ وہ لقمہ اٹھالے اور اُس کے اُوپر کوئی چیز مٹی وغیرہ لگی ہو تو اُسے صاف کرکے کھالے اور شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔"

چنانچہ اُنہوں نے نوالے کو زمین سے اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا، تو ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے کہنی مار کر کہا کہ اس وقت ایسا مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اس کام پر تمہاری ناقدری اور بے عزتی کریں۔ اس لیے اس وقت مصلحت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ انہوں نے یہ

بات اس لیے کی کہ اُس وقت ایرانی تہذیب ،اپنی نزاکت ونفاست اور صفائی ستھرائی میں بڑی مشہور تھی۔

جواب میں حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَتْرُكُ سُنَّةَ رَسُوْلَ اللهِ لِهٰؤُلَاءِ الْحُمَقَاء

"کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ان احمقوں کی خاطر چھوڑ دوں۔"

یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شدتِ اتباع، کہ وہ ایک ایک سنت اور مستحب کی اتنی پابندی کرتے تھے۔افسوس آج ہم اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کہتے ہوئے کتنی بڑی بڑی سنتوں کو چھوڑ رہے ہیں اور کس حد تک سنت کی مخالفت میں مبتلا ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری فرض ہے:

اللہ تعالیٰ نے ہم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ ، سیرت اور سنت کی تابعداری ایسی ضروری اور فرض کر دی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی تابعداری ہم پر فرض اور ضروری ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ [نساء:۵۹]

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرو اور رسول اللہ کی بھی تابعداری کرو"۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔ [آل عمران:۳۲]

"اِن سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرو۔اور اگر یہ پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ کافروں (اطاعت کے منکروں) سے محبت نہیں کرتا۔"

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تابعداری کو اپنی اطاعت اور تابعداری کہا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ۔ [نساء:۸۰]

"جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (تابعداری) کی یقیناً اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و تابعداری کی۔"

اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہی کے مبعوث کردہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ [بقرہ: ۱۱۹]

"ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بیان کرنے کے لیے، ماننے وتابعداری اور اطاعت کرنے والوں کو کامیابی اور جنت کی خوشخبری سنانے والا اور نہ ماننے والوں کو جہنم اور ناکامی سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے"۔

حدیث شریف میں بھی آتا ہے:

مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ۔ [مشکوٰۃ]

"جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی تو اُس نے اصل میں اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔"

یہی تابعداری و اطاعتِ ہر پیامبر کی بعثت کا مقصد ہوتا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ لوگ اُن کی تابعداری کریں چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ [نساء: ۶۵]

"ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی تابعداری کی جائے۔"

مطلب یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے بغیر ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ احکام کو ہماری نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم اُمتیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پورا پابند بنادیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ [احزاب: ۲۱]

"بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو بہترین اور اعلیٰ نمونہ زندگی قرار دے کر ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہم ہر معاملہ، نشست و برخاست اور ہر قسم کی غمی، خوشی کے معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں۔اور اسی میں اُمت کے لیے خیر و برکت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔ [نساء: ۵۹]

یعنی اگر تمہارا کسی کام میں اختلاف پیدا ہو جائے کہ اس میں کونسا طریقہ درست ہے، کونسا کام دین اور کونسی بے دینی ہے، کونسا طریقہ سنت کا ہے اور کونسا سنت کے خلاف۔ اگر تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان ہو تو یہ جھگڑا اور اختلاف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قرآن اور سنت کی طرف لے جاؤ اور اُس میں اِس کا حل تلاش کرو تو اس سے تم صحیح راستے پر چل کر اس اختلاف کو ختم کر پاؤ گے۔ اور ایسا کرنا یعنی سنت پر چلنا تمہارے لیے اچھا ہے اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔ الغرض سنت پر عمل کرنے سے ایک تو دنیاوی فائدہ ہے، انسان اسراف و فضول خرچی وغیرہ مالی نقصان سے بچ جاتا ہے اور دوسرا آخرت میں ثواب مل جانے سے انسان عذاب سے بچ جاتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

تَرَكْتُ فِیْكُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ۔ [مشکوٰۃ]

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر اِن کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔"

دوسری روایت میں اس طرح کے الفاظ نقل ہیں:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ قَدْ تَرَكْتُ فِیْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِیِّهٖ۔ [مستدرک حاکم: ۱/۹۳]

"اے لوگو! میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑا تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اُس کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:

مَنْ اَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِيْ سُنَّةٍ وَاَمِنَ النَّاسَ بَوَائِقَهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ [ترمذی، مشکوٰۃ]

"جس نے حلال کھایا اور سنت طریقے پر عمل کیا اور لوگوں کو اپنی ایذا سے بچائے رکھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا"۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وہ عمل مقبول ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مہر ثبت ہو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت طریقے کے مطابق ہو۔ قرآن پاک کا ارشاد اس پر گواہ ہے۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔ [فاطر: ۱۰]

"اللہ کی طرف پاکیزہ کلمات (توحید) چڑھتے ہیں اور (سنت کے مطابق) نیک عمل بلند ہو کر شرفِ قبولیت پاتے ہیں"۔

نیک عمل کا صحیح مطلب:

عمل صالح (نیک عمل) وہ نہیں جو ہمارے خیال اور نظر میں نیک اور اچھا لگتا ہو بلکہ نیک اور صالح عمل وہ ہے جس کو شریعت نے نیک اور صالح کہا ہو اور وہ شریعت سے ثابت ہو۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں سورۃ البقرہ کی آیت: ۲۷۷ کے تحت لکھا ہے:

اَلصَّالِحَةُ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا سَوَّغَهَا الشَّرْعُ

یعنی اعمالِ صالحہ وہ ہیں جن کو شریعت (قرآن وسنت) نے جائز قرار دیا ہو۔

علامہ علی المھایمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر تبصیر الرحمٰن کی جلد: ۱ صفحہ: ۳۷ پر سورۃ بقرہ کی آیت: ۲۵ کے تحت عملِ صالح کے بارے میں کہا ہے کہ

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اَلَّتِيْ اَمَرَبِهَا هُوَ اَوْ اَحَدُ فُرُوْعِهٖ مِنَ السُّنَّةِ وَالْاِجْمَاعِ وَالْقِيَاسِ

نیک اور صالح عمل وہ ہے جس کا حکم قرآن یا قرآن کے فروع یعنی سنت، اجماع اور قیاس میں سے کسی ایک نے دیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو عمل قرآن وسنت میں موجود ہو یا صحابی نے کیا ہو یا قیاسِ مجتہد سے اُس کا ثبوت ملتا ہو تو وہ نیک ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک

سے بھی اس کا ثبوت نہ ہو اور نہ حکم دیا گیا ہو تو وہ نیک عمل نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی عمل کے قبول ہونے کے لیے دو شرائط ہیں ایک یہ کہ وہ عمل اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے ہو، ریا و نمود کے لیے نہ ہو اور دوسرا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت طریقے اور شریعت کے موافق اور مطابق ہو۔

اگر کوئی عمل اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو تو اُس کی مثال قرآن نے اس طرح بیان کی ہے

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا۔ [بقرہ: ۲۶۴]

" اُس (عمل کی مثال اُس) پتھر جیسی ہے جس پر مٹی ہو اور پھر زور دار بارش برسنے سے وہ پتھر بالکل صاف ہو جائے"۔

اور جو عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق نہ ہو بلکہ اپنے بنائے ہوئے طریقے پر ہو تو پھر اُس میں قبولیت کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا اس عمل کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔ [بخاری، مسلم]

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہماری طرف سے ثبوت نہ ہو (میرے طریقے پر نہ ہو) تو وہ عمل اللہ کے ہاں مردود و نامنظور ہوگا"۔

ایک مرتبہ تین اصحاب رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزمرہ معمولات پوچھنے ازواج مطہرات کے پاس آئے۔ جب انہیں معمولات بتائے گئے تو تینوں ساتھیوں نے اپنی عبادات کو بہت کم تر سمجھا۔ ایک صحابیؓ نے رات بھر نوافل ادا کرنے، دوسرے نے سال بھر مسلسل روزے رکھنے اور تیسرے نے شادی نہ کرنے کا عزم کیا۔ اس دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ارادوں سے آگاہ کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم وہ لوگ ہو جو ایسی باتیں کر رہے ہو۔

اَنَاوَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشٰکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقٰکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ۔ فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ (مشکوٰۃ)

خبردار! اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور متقی ہوں، لیکن پھر بھی میں روزے رکھتا ہوں اور درمیان میں افطار بھی کرتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔ پس جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا اُس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

سوچنے کا مقام ہے کہ بظاہر ان تینوں حضرات کا ارادہ نیک تھا، عبادت کرنے اور دین داری کا تھا، لیکن جب یہ ارادہ اور فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت طریقے کے خلاف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراضی کا اظہار کرکے اس سے منع فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیکی اور ثواب کا ہر وہ کام جو انسان خود تجویز کرے وہ اس وقت تک نیکی نہیں بنتا جب تک اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ سنت اور مہرِ تصدیق ثبت نہ ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری چھوڑنا ایمان کے خلاف ہے:

اسی اہمیت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنے کا حکم دیا اور ہمیں ہرگز اپنی مرضی و خواہش پر نہیں چھوڑا۔

وَمَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ

[احزاب: ۳۶]

یعنی کسی مومن مرد یا عورت کے لیے یہ اختیار نہیں کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنے مرضی چلائے، زندگی جس طرح چاہے گزار دے۔ شادی اور غمی کے موقع پر اپنی من مانی کرتے ہوئے انہیں اپنی خواہش کے مطابق کرے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَلَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ۔ [مشکوٰۃ]

تم میں سے کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک اُس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین (قرآن وسنت) کے مطابق نہ بن جائے۔

دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ:

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ [مشکوٰۃ]

"تم میں سے کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اُسے اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب (پیارا) نہ بن جاؤں"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت کا مطلب یہ ہے کہ جب زندگی میں انسان پر خوشی غمی، شادی بیاہ وغیرہ آجائے ایک طرف والدین، اولاد، میاں بیوی، رشتہ دار یا دوست، قبیلہ، خاندان، محلے اور علاقے والے اس موقع پر بے دینی، رسومات وبدعات اور خرافات کرنے پر مصر ہوں۔ یہ بدعات ورسومات نہ کرنے سے یہ تمام ناراض ہوتے ہوں، میاں بیوی اور اولاد بگڑ جانے کا خطرہ ہو اور دوسری طرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں یہ سب کچھ شریعت وسنت کے طریقہ پر ادا کرنا ضروری ہو، اب اگر کوئی شخص لوگوں کو راضی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کے مطابق یہ شادی وغمی شریعت کے خلاف کرے گا تو اُس نے عملاً یہ بتلایا کہ اسے ان لوگوں سے زیادہ محبت ہے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں یا کم ہے۔ اور اگر ایک نیک دل مسلمان متبع سنت اُمتی نے ان لوگوں کا خیال کیے بغیر، ان لوگوں کی رضا کو چھوڑ کر ان کے خوش ہونے یا نہ ہونے کی پرواہی نہ کی اور دل میں یہ عزم کیا کہ لوگ خوش ہوں یا بگڑیں، میں سنت اور شریعت کے مطابق یہ شادی اور خوشی مناؤنگا یا یہ غم وسوگ شریعت کے مطابق گزاروں گا، اسے شریعت، قرآن وسنت کے خلاف، بدعات رسومات اور شیعوں، ہندوں، یہودیوں، عیسائیوں وغیرہ کے طریقوں پر نہیں کروں گا تو اس آدمی نے یہ عملاً کر دکھلایا کہ اس آدمی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت ہے نہ کہ لوگوں سے۔ اور یہی کامل مومن ہوگا۔

اور جو اپنی مرضی اور خواہش کو مقدم رکھے میاں بیوی، باپ دادا اور رشتہ داروں

اور یاروں کو خوش کرتا رہے تو اس کا ایمان کامل نہیں۔ کیونکہ ایمانِ کامل کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے درمیان واقع ہونے والے معاملات میں حاکم بنانا شرط لگایا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ [سورۃ نساء: ٦٥]

"تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملے میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں جو ان کے درمیان آیا ہے اور پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کرنے والا بنانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کے بعد) اپنے دل میں تنگی (خفگی) نہ لائیں اور اسے قبول کریں۔ یعنی بار بار مانیں۔ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ سے مراد تمام عقائد، نظریات، اعمال، معاملات اور حقوق ہیں۔

اس آیت میں ایمانِ کامل کی تین شرطیں بیان ہوئی ہیں:

ایک یہ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ کہ اس وقت تک ایک مسلمان اُمتی کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حاکم نہ مانے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہ کرے۔

دوسری شرط یہ ہے ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ کہ جب سنت پر عمل کرے، شادی، غمی یا کوئی بھی معاملہ سنت کے مطابق کرنے کے بعد سنت پر عمل کرنے سے وہ دل میں خفا اور تنگ نہ ہو کہ یہ شادی، یا تکفین و تجہیز اور جنازہ وغیرہ سنت کے مطابق کیوں کیا؟ اگر ایسا نہ کرتا بلکہ اپنی قوم وعلاقے کی رسم ورواج اور آباء واجداد کے طریقے پر کرتا تو لوگ مجھ سے خفا نہ ہوتے، بگڑ نہ جاتے وغیرہ۔ درحقیقت ایسا سوچنا ایمان نہیں بلکہ ایمان کا تقاضا تو یہ ہوگا کہ سنت پر عمل کرنے کے بعد اس پر خوش ہو اور دل میں مطمئن ہو کہ اچھا کام کیا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ادا کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا بھی ضعفِ ایمانی کی علامت ہے۔

اور تیسری شرط یہ ہے وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کہ بار بار سنت پر عمل کرے ایسا نہ ہو کہ ایک دفعہ ایک بیٹے یا بیٹی کی شادی سنت کے مطابق کی ہو لیکن لوگوں کے خفا ہونے یا لعن طعن اور الزام دینے سے پھر دوسرے بیٹے یا بیٹی کی شادی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف دیکھتا بھی نہیں یا غم آنے پر میت کی تکفین و تجہیز اور جنازہ و خیرات وغیرہ سنت اور شریعت کے مطابق کیا ہو، لوگوں کے برا بھلا کہنے اور ملامت کرنے سے اب دوبارہ ایسے موقع پر سنت طریقے کو چھوڑنے کا ارادہ کرلے، دوبارہ سنت پر عمل کرنے کا ارادہ ہی نہ رہا۔ ایسا کرنے والا کامل مومن اور صحیح اُمتی کہلوانے کے لائق ہی نہیں۔ اس آیت میں تَسْلِيْمًا مفعول مطلق تاکید کے لیے آیا ہے یعنی بار بار ہر موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سامنے رکھے گا تب جا کر کامل ایمان والا بنے گا۔ وہ شخص کیسا مسلمان ہے جو اپنے کسی جھگڑے، عمل اور مقدمے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ اور سنت پر مطمئن نہیں۔ یہ تو منافقت کی نشانی ہے کہ زبان سے تو اُمتی ہونے کا دعویٰ ہو اور عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور فیصلے کے خلاف۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا [نساء:٦١]

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اُس حکم (کتاب) کی طرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی (سنت کی) طرف آؤ (کہ اس کے مطابق فیصلہ فرمادیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کی سنت کی طرف آنے) سے پہلو تہی کرتے ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ کسی منافق اور یہودی کا کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملے کی تحقیق کی۔ حق یہودی کا ثابت ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ اُس کے حق میں دیدیا۔ اس پر منافق ناراض ہوا اور یہودی کو اس بات پر مجبور کیا کہ چلو عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں کہ وہ کیا فیصلہ سناتے ہیں۔ منافق کا خیال تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ تو کفار کے معاملے میں سخت ہیں وہ یقیناً یہودی کی بجائے میرے حق میں فیصلہ دیں گے۔ بہر حال جب دونوں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور یہودی نے پورا واقعہ بیان کر دیا کہ اس مقدمے کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں دیدیا ہے، لیکن یہ شخص مطمئن نہیں اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہیں۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا ذرا ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں، گھر سے تلوار لے آئے اور منافق کا سر قلم کر دیا۔ پھر فرمایا کہ جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہو تو اس کا یہی فیصلہ ہے۔

اگرچہ مندرجہ بالا آیت عام ہے اس واقعے کے ساتھ خاص نہیں لیکن مقصد یہ ہے کہ باہمی خصومت اور جھگڑے کے وقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی فیصلے اور سنت سے اعراض کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔ ایسا کرنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

بنا بریں ایک اُمتی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تابعداری کرنا ضروری اور فرض ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اتنے وسیع معنی رکھتی ہے کہ اُمتی تو کیا دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اگر آج زندہ موجود ہوتے تو اُن پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری لازم ہوتی۔ ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِيْ۔

[مشکوۃ باب الاعتصام]

"یقیناً میں تمہارے پاس روشن اور صاف شریعت لایا ہوں اگر (آج) موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا"۔

لیکن افسوس ان تمام ارشادات کو بالائے طاق رکھ کر جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے طریقوں پر چلنا شروع کر دیا ہے، حقیقتاً غیروں کی نقالی بن گئے ہیں۔ دوسروں کی تہذیب و کلچر کو اپنا کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی

ہونے کے دعویدار ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، قرآن و سنت پر عمل پیرا ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ زعمِ باطل، ایک غلط خیال اور صرف دھوکہ ہے۔

قرآن پاک ایسے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا۔

[نساء: ۶۰]

"کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کتاب تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل ہوئیں، اُن سب پر ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ اپنے فیصلے (مقدمے) غیر اللہ (قرآن وسنت کے خلاف، سرکش) کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو اس سے انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر راستے سے دور بھٹکا دے"۔

نبی ﷺ کی تابعداری فعل اور ترک دونوں صورتوں میں ہے:

ہم پر بحیثیت اُمتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ہر صورت میں لازم ہے۔ خواہ کوئی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو تو ہم بھی اُسے کرینگے اور کوئی کام نہ کیا ہو تو ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں اس کام کو ہر گز نہ کرینگے بشرطیکہ یہ فعل یا ترک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہ ہو۔ کیونکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلاً وترکاً اُمتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ [حشر: ۷]

"اور جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے دیں تو اُسے لے لو اور جس سے تمہیں منع کریں تو اُسے چھوڑ دو"۔

مطلب یہ کہ جس چیز یا کام سے ہمیں پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم منع کریں کہ یہ

کام مت کرو تو اُس کام سے ہمیں باز رہنا ہے۔ اور جو طریقہ و عمل ہمارے کرنے کو بتلایا ہو اُس کی اتباع و پیروی کرنی ہے۔ معلوم ہوا اتباع عام ہے خواہ فعل میں ہو یا ترک میں۔ یعنی اگر کوئی کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو تو اُسے کرنا تابعداری ہے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کو ترک کیا ہو، اُس کے کرنے کا کوئی ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو، تو اسے ترک کرنا بھی عین تابعداری ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْمُتَابِعَةُ كَمَا تَكُوْنُ فِي الْفِعْلِ تَكُوْنُ فِي التَّرْكِ اَيْضًا۔ [مرقات: ۱/ ۴۱]

تابعداری جس طرح فعل میں ہے اسی طرح ترک میں بھی ہوگی۔

اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں:

" واتباع همچنانکه درفعل واجب است در ترک نیزمے باید کرد"۔ [اشعۃ اللمعات: ۱/ ۲۰]

یعنی اتباع جیسا کہ فعل میں واجب ہے اسی طرح ترک میں بھی (واجب اور ضروری) ہونی چاہیے۔

علامہ سید جمال الدین المحدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَرْكُهٗ صلی اللہ علیہ وسلم سُنَّةٌ كَمَا اَنَّ فِعْلَهٗ سُنَّةٌ

[الجنہ لاصحاب السنۃ: ۴۳ بحوالہ منہاج الواضح]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز و کام کو ترک کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل سنت ہے۔

مشہور تابعی سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھ رہا ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روکا کہ عصر کی نماز کے بعد نفل جائز نہیں۔ اس شخص نے جواب میں کہا: اَيُعَذِّبُنِيَ اللّٰهُ عَلَى الصَّلٰوةِ کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا و عذاب دیگا؟ کیونکہ نفل پڑھنا نیکی اور ثواب کا کام ہے حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

لاَ وَلٰکِنْ یُعَذِّبُکَ بِخِلاَفِ السُّنَّۃِ

"نماز پڑھنے پر تو تمہیں سزا نہیں دیگا البتہ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ضرور سزا دیگا۔[سنن دارمی]

مذکورہ بالا بحث اصل میں اُن لوگوں کا جواب بھی ہے جو اپنی کسی بدعت اور رسم کو ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو منع بھی نہیں فرمایا ہے۔اس لیے اس کام کے کرنے میں کوئی برائی نہیں۔

حقیقت میں ان لوگوں نے اُمتی ہونے اور تابعداری کو سمجھا ہی نہیں جب کہ اتباع کا مطلب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل وترک پر سر تسلیم خم کرنا ہے۔

سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تابعداری:

اسی طرح اگر کوئی کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کیا ہو تو وہ بھی سنت ہے اور ہمارے لیے دلیل ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت اور طریقوں کی تابعداری کرنا بھی ہم پر لازم ہے۔جیسا کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ۔ [مشکوۃ]

"تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو"۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مُسْتَنًّا فَلْیَسْتَنَّ بِاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم (وَفِیْ رِوَایَۃٍ) فَلْیَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَاِنَّ الْحَیَّ لَاتُوْمَنُ عَلَیْہِ الْفِتْنَۃَ اُولٰئِکَ اَصْحَابُ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم کَانُوْا اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَبَرَّھَا قُلُوْبًا وَاَعْمَقَھَا عِلْمًا وَاَقَلَّھَا تَکَلُّفًا وَاَقْوَمَھَا ھَدْیًا وَاَحْسَنَھَا حَالاً اَخْتَارَھُمُ اللہُ تَعَالٰی لِصُحْبَۃِ نَبِیِّہٖ وَلِاِقَامَۃِ دِیْنِہٖ فَاعْرِفُوْا لَھُمْ فَضْلَھُمْ وَاتَّبِعُوْھُمْ عَلٰی اٰثَارِھِمْ وَتَمَسَّکُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِھِمْ وَسِیَرِھِمْ فَاِنَّھُمْ کَانُوْا عَلَی الْھُدَی الْمُسْتَقِیْمِ۔

[مشکوٰۃ باب الاعتصام]

"تم میں سے جو کوئی اقتدا کرے تو چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کی پیروی کرے۔اور ایک روایت میں ہے کہ ان بزرگوں کی اقتدا کرے جو فوت چکے ہیں، کیونکہ زندہ (لوگ) فتنوں سے محفوظ نہیں ہو سکتے،اور وہ لوگ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔جو اس اُمت کے بہترین لوگ اور نہایت نیک دل اور گہرے علم والے اور نہایت کم تکلف اور کم بناوٹ والے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اقامتِ دین کے لیے منتخب فرمایا، ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقشِ قدم پر چلو اور جس قدر ہوسکے اُن کے اخلاق اور سیرت کو مشعلِ راہ بناؤ کیونکہ یہ حضرات یقیناسیدھی ہدایت پر تھے"۔

دوسرے مقام پر بھی آپ رضی اللہ عنہ کا ہی ارشاد ہے۔

اِتَّبِعُوْا اٰثَارَنَا وَلَا تَبْتَدِعُوْا فَقَدْ كُفِيْتُمْ۔ [اعتصام:۱/ ۵۴]

"ہمارے نقش قدم کی پیروی کرو اور اپنی طرف سے بدعات مت ایجاد کرو کیونکہ (دین مکمل ہو چکا ہے اور) یہی تمہارے لئے شر سے بچنے کے لیے کافی ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ:

"سنت کی بنیاد ہمارے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عمل پر مضبوطی سے جمے رہنا، ان کی پیروی کرنا اور بدعت ترک کر دینا ہی ہے کیونکہ ہر بدعت گمراہی کا ذریعہ ہے"۔ [بحوالہ اصول السنۃ]

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تابعداری کو ضروری قرار دیا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ كَمَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ أَتٰى أُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً۔ [مشکوٰۃ باب الاعتصام]

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میری اُمت میں بھی وہ سب برائیاں آئیں گی جو بنی اسرائیل میں آئی تھیں بالکل برابر برابر، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بد بخت ہوا ہوگا جس نے اعلانیہ اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا تو میری اُمت میں بھی کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو ایسا کرے گا۔ اور بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں تقسیم ہوئے، میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہوگی اور یہ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقے کے، جو جنتی ہوگا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا۔ مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ، یعنی فساد و گمراہی اور جہنم سے نجات پانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے وہ کام کیے جو میں نے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کئے ہیں یعنی جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت کی تابعداری کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت کو ترک کرکے اس کے مقابلے میں اپنی طرف سے نئے طریقے (بدعات) نکالنے کے بارے میں ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَكُلُّ مَالَمْ يَفْعَلُوْهُ اِذَا فُعِلَ بَعْدَهُمْ كَانَ نُقْصَانًا فِي الدِّيْنِ [مدخل بحوالہ اصول السنۃ]

"پس ہر وہ کام جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نہیں کیا اور اُن کے بعد اسے کیا جائے تو وہ دراصل دین میں (عیب) نقصان ہوگا"۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَعَبَّدْهَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَا تَعَبَّدُوْهَا فَاِنَّ الْاَوَّلَ لَمْ يَدَعْ لِلْاٰخِرِ مَقَالًا فَاتَّقُوْا اللہَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ وَخُذُوْا بِطَرِيْقِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔

[اعتصام: ۱/۱۱۳]

"ہر وہ عبادت جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی ہو اسے مت کرو۔ کیونکہ پہلے لوگوں (صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) نے آنے والوں کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور پہلے لوگوں (صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) کے

طریقوں کو پکڑو (ان پر عمل کرو)۔"

غرض یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت کی تابعداری کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم پر ان کی سنت کی تابعداری کرنی لازم ہے، بلکہ فساد کے دور میں جب لوگ تارکِ سنت بن جائیں اور سنت کے مقابلے میں بدعات ورسومات کے پابند ہو جائیں تو اس وقت سنت پر عمل کرنے کے بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهٗ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ۔ [مشکوۃ باب الاعتصام]

یعنی جس نے میری امت کے فساد کے دور میں (جب سنت کی جگہ بدعت نے لے لی ہو) میری سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھا (اس پر عامل ہو گیا) تو اس کے لیے سو شہیدوں کے برابر اجر ہے۔

اس کے برعکس ہمیں سنت کی مخالفت سے بچنا ہے۔ کیونکہ سنت کے ترک کرنے والے اور بدعات ورسومات کی پابندی کرنے والے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کرنے والوں پر اللہ کی لعنت وغضب ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلٰثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَ مُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ مُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَهٗ۔ [مشکوۃ]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں سے تین آدمی اللہ کے ہاں بہت مبغوض ہیں، حرم میں کج روی (گناہ وفساد) کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کی رسومات کی پابندی کرنے والا اور وہ شخص جو ایک مسلمان کے ناحق خون کے بہانے کا طلب گار ہو۔"

اب چونکہ سنت کو چھوڑنا اور اپنی طرف سے نئے طور طریقے یعنی بدعات نکالنا ایک بدترین جرم ہے اس لیے بدعت کی قباحت اور معنی و مفہوم کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے تاکہ بدعت کو جان اور سمجھ کر مسلمان اپنے آپ کو اس سے بچا سکے۔

بدعت کی قباحت:

تمام گناہوں سے بڑھ کر اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ بدعت ہے جو نا قابل معافی بھی ہے اور قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی کا سبب بھی۔ اور ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرنا، اس کی مخالفت کرنا اور بدعت نکالنا دنیا وآخرت میں عذاب کا سبب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

[نور: ۶۳]

"پس ڈرتے رہیں وہ لوگ جو حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے"۔

ایک دوسرے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت کی مخالفت کرنے والوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ [نساء: ۱۱۵]

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مومنوں (صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ) کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دینگے اور (قیامت کے دن) اُسے جہنم میں داخل کرینگے اور وہ بری جگہ ہے۔"

قرآن پاک میں ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ بدعتی لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں کہ جو صحیح دین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر اپنی طرف سے دین میں نئے طریقے اور بدعات ایجاد کرتے ہیں اور اس پر عمل کرکے اس پر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے دین وثواب کا کام کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کام ان کا ضائع اور بے اجر وثواب ہے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ [کہف: ۱۰۴]

"ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں وہ لوگ نہ بتاؤں جو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کی سعی (کوشش) دنیا کی زندگی میں ضائع رہی ہے اور گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ کے بارے میں مروی ہے کہ أَنَّهُمْ أَهْلُ بِدْعَةٍ یعنی کہ یہ لوگ بدعتی ہیں اس لیے ان کی یہ کوشش و عمل بے فائدہ و ضائع ہے۔

[بحوالہ اصول السنۃ]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے:

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔ [بخاری]

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہماری طرف سے ثبوت موجود نہ ہو (یعنی سنت طریقے پر نہ ہو) تو وہ عمل مردود و نامنظور ہوگا"۔

اس آیتِ کلام پاک اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا کہ بدعتی کا کوئی عمل اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا بلکہ ایک روایت میں تو بدعتی کے اعمال کے قبول نہ ہونے کے بارے میں صاف طور پر یہ الفاظ آئے ہیں :

لَا تُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ [مشکوۃ: ۱/ ۲۳۸ ،، بخاری: ۱/ ۲۵۱، ابن ماجہ: ۶]

نہ اس کی فرض عبادت قبول کی جائے گی اور نہ نفلی۔ اور جب بدعتی کی اپنی عبادت قبول نہ ہوئی تو اِس وجہ سے فقہاء و علمائے کرام نے بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی قرار دیا ہے۔ ان تمام جملہ خرابیوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت سے بچنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور فرمایا ہے:

إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ [مشکوۃ]

"تم (دین میں) نئی نئی باتیں (بدعات) کے نکالنے سے پرہیز کرو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

امام نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ [نسائی: ۱/ ۱۷۹]

ہر گمراہی آگ یعنی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

بدعت اتنا بڑا گناہ اور قبیح فعل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کرنے والے آدمی کی اکرام و تعظیم تک سے بھی ہمیں منع فرمایا ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔ [مشکوۃ: ۱/ ۳۱]

"جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی تو اُس نے گویا اسلام کو گرانے میں اس بدعتی کی مدد و اعانت کی (کیونکہ بدعتی تو دین کی عمارت کو گرا رہا ہے)"۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اسلافِ اُمت کو بدعت اور اہلِ بدعت سے انتہائی نفرت تھی۔ ایک دفعہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لایا جبکہ اس سے پہلے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے بارے میں یہ خبر پہنچی تھی کہ اُس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

فَاِنْ كَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ۔ [ترمذی: ۲/ ۳۸، مشکوۃ: ۱/ ۲۳]

"اگر واقعی اس شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے تو میرا اسلام اسے ہرگز نہ دینا"۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بدعتی کے پاس مت بیٹھو کیونکہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ ابن امیر الحاج رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَلْيَحْذَرْ اَنْ يَّزُوْرَ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ۔ [مدخل: ۲/ ۴۲۱]

یعنی آدمی کو بدعتیوں سے میل جول کے بارے میں ڈرنا چاہیے۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بدعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

بدعت از معصیت بالا تراست و کفر از بدعت بالاتر ،بدعت بکفر نزدیک است

[فوائد الفواد: ۱۰۹ بحوالہ منہاج الواضح: ۷۳]

یعنی بدعت کی قباحت و خرابی عام گناہ سے زیادہ ہے جبکہ کفر بدعت سے زیادہ اور بدعت کفر کے نزدیک ترین ہے۔

بدعت کا معنی و مطلب:

بدعت کا لفظی معنی ہے نئی چیز پیدا کرنا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں اُس نئی چیز، کام اور طریقے کو جو دین میں اپنی طرف سے نکال کر ثواب کی نیت سے کیا جائے جس کا ثبوت وَوجود، قرآن وسنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ یعنی خیر القرون، قرونِ ثلاثہ میں نہ ہو۔ لغت کی کتابوں میں بھی یہی معنی لکھا ہوا ہے۔

البدعة: بغیر نمونہ کے بنائی ہوئی چیز۔ دین میں نئی رسم، وہ عقیدہ یا عمل جس کی کوئی اصل قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ملے۔ [مصباح اللغات: ۲۷]

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ بدعت کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالْبِدْعَةِ مَا اُحْدِثَ مِمَّا لَا اَصْلَ لَهٗ فِي الشَّرِيْعَةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ۔

[جامع العلوم والحکم: ۱۹۳]

"بدعت سے مراد وہ چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اُس پر دلالت کرے"۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اُس کو دین و ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ [حمائل شریف: ۷۰۲]

یہی معنی مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تعلیم الاسلام میں کیا ہے۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم دنیا میں لائے، جن عقائد کی تعلیم کی تلقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو فرمائی، احکام کا جو طریقہ

عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا اس میں باہر سے اضافہ بدعت ہے اس سے بدعت کی حقیقت ظاہر ہو گئی اور وہ یہ ہے کہ بدعت دین حق کے اندر کسی ایسی چیز کا باہر سے اضافہ ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے دین میں نہیں نہ اس کی اصل موجود ہے اور نہ اس کی نظیر موجود ہے اور نہ ہی قرآن وحدیث سے مستنبط ہے چونکہ دین کے ہر کام میں اجر وثواب کا وعدہ ہے اس لئے کسی چیز کو دین یا داخل دین سمجھا جائے گا تو اس پر ثواب بھی مرتب سمجھنا ضروری ہے۔اس لئے اگر کوئی چیز بدعت ہو تو یقیناوہ ثواب سے بھی خالی ہوگا بلکہ بوجہ اس کے مردود ہونے اور ضلالت ہونے کے اس کے کرنے سے ثواب کی بجائے گناہ ہی ہوگااب غور کیجئے کہ مسلمانوں کے عقیدے ،اعمال ،عبادات اور غمی شادی و تقریبات میں جو نئے طریقے اور مراسم ثواب سمجھ کر ادکئے جاتے ہیں وہ کہاں تک موجبِ ثواب ہو سکتے ہیں۔

اس تشریح سے ظاہر ہوا کہ کسی امر کے بدعت قرار پانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اضافہ امور دین میں ہو اگر وہ امور دین سے نہیں ہے تو مذہبی حیثیت سے اس کو بدعت نہیں کہیں گے مثلاً کوئی کسی نئی طرز کی کوئی عمارت بنائے ، کوئی نئی مشین بنائے ، کوئی نیا آلہ ایجاد کرے ،سائنس کے کسی مسئلہ کی نئی تحقیق کرے، کوئی نیا طریقہ علاج ایجاد کرے وغیرہ۔ بدعت کی پہچان یہ ہے کہ اس کا کرنیوالا اپنے اس کام میں ثواب کا اعتقاد رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کام میں ثواب یا عذاب کا ہونا عقل سے دریافت نہیں ہو سکتا۔ثواب ایک توقیفی چیز ہے اس کی دریافت کی راہ صرف ایک ہے اور وحی نبوی ہے۔بس اس تفصیل کی رو سے بدعت کے مصداق سے وہ تمام نئی چیزیں نکل گئیں جو اگرچہ قرونِ ثلاثہ میں تو نہ تھیں بعد میں پیدا ہوئیں، لیکن اِنہیں دین وثواب سمجھے بغیر وسائل وذرائع سمجھتے ہوئے نکالا گیا ہے۔ مثلاًریل گاڑی، ہوائی جہاز ،گاڑی، ٹیلفون ،لاؤڈ سپیکر ، پنکھا وغیرہ۔ اگرچہ یہ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں موجود نہ تھیں لیکن یہ بدعت اس وجہ سے نہیں کہ یہ ذرائع واسباب ہیں اور ذرائع واسباب میں بدعت نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ کہ

لوگ اس کا استعمال ثواب و دین سمجھ کر نہیں کرتے بلکہ یہ تمام چیزیں اسباب و وسائل کی حد تک ہی ہیں اور بس۔ حاصل یہ کہ ایک نئی چیز (اسباب وآلات) پیدا کرنا جو دین و ثواب کی نیت سے نہ ہو البتہ مباح ضرور ہو تو وہ بدعت نہیں بلکہ جائز ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں بھی بدعت اُس چیز کو کہا گیا ہے جو اُمور دین میں سے ہو نہ کہ وسائل و ذرائع میں۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ [مشکوۃ باب اعتصام راوہ بخاری و مسلم]

"جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز، بات نکالی جو اس دین میں نہ ہو تو وہ مردود ہو گی"۔

" فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا" سے محدثین نے لکھا ہے، مراد دین ہے "اَیْ فِیْ دِیْنِنَا هٰذَا" یعنی ہمارے اس دین میں۔ اس طرح کی بدعات کی بے شمار مثالیں ہمارے ہاں کے لوگوں میں ملتی ہیں جن کا نہ قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی قرونِ ثلاثہ میں اس کا وجود یا مثل موجود ہے۔ مثلاً اپنی طرف سے شرکیہ وظائف و اوراد اور من گھڑت دُرود و سلام وغیرہ۔ ہاں بعض کا وجود اگرچہ قرآن وسنت میں موجود ہے لیکن بدعتی لوگوں اِن عبادات میں اپنی طرف سے تخصیص و قید لگانے کا اضافہ کر لیتے ہیں۔ جیسے عبادات و صدقات میں اپنی طرف سے ایام اور اوقات کی تخصیص۔ مثلاً رسمِ قُل (تیجہ)، چہلم، برسی، جمعرات کا دن خیرات وایصالِ ثواب کے لیے خاص کرنا اور اماموں کا مساجد میں جمعرات کو تبارک الذی (سورۃ ملک) التزاماً پڑھنے کی تخصیص وغیرہ۔ یا طریقوں اور ہیئتوں (شکل) کو اپنی طرف سے ایجاد کرنا مثلاً ذکرِ جہری کے حلقے بنانا، جنازہ اور سنن کے بعد دعا بہیئتِ اجتماعی کا التزام وغیرہ۔ اسی طرح میلاد، عرس، حیلہ اسقاط وغیرہ تمام بدعت ہیں اور یہ تمام بدعتِ سیئہ ہیں ان میں کوئی حسنہ نہیں۔ بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بدعت میں حُسن نہیں ہوتا۔ اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بدعت نکالنے سے منع فرمایا ہے ارشادِ ربانی ہے:

يَآاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ [نساء :۱۷۱]

"اے کتاب والو! اپنے دین میں غلو مت کرو"۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے در منثور میں "لَا تَغْلُوا" کا ترجمہ "لَا تَبْتَدِعُوْا" سے کیا ہے۔ اس آیت کے تحت تمام اقسامِ بدعت، خواہ ان کا تعلق بدعتِ اعتقادی سے ہو یا بدعتِ قولی و فعلی سے آتی ہیں اور بدعت کے علاوہ باطل رسم و رواج بھی وہ چیز ہے جس سے ہمیں شریعت نے منع کیا ہے۔اس سے مراد وہ غیروں (ہندوؤں، شیعوں، عیسائیوں وغیرہ) کے طور طریقے ہیں جو مسلمان معاشرے کا بتدریج حصہ بنتے چلے رہے ہیں یا اپنوں کے وضع کردہ وہ تمام افعال ہیں جنہیں التزاماً لوگ کرتے ہیں۔ جن کے کرنے والے کو قابلِ مدح اور ترک کرنے والے کو قابلِ مذمت سمجھا جاتا ہے، لیکن عموماً یہ افعال دین و ثواب کی نیت سے ادا نہیں کیے جاتے بلکہ بطور رواج اس کی پابندی کی جاتی ہیں۔اسے رسم کہتے ہیں مثال کے طور پر ہمارے معاشرے میں موجود خوشی، شادی بیاہ، نکاح، ختنہ کی تقریبات میں۔

بدعت اور فسق میں فرق:

بدعت عام گناہ مثلاً جھوٹ، قتل، زنا، چوری، بے نمازی وغیرہ سے اس لیے زیادہ قباحت رکھتی ہے کہ گناہ کرنے سے دین کو کچھ نقصان نہیں ہوتا بجز اس گنہگار کے، جبکہ بدعت کرنے اور نکالنے سے دین کو نقصان پہنچتا ہے اور دین کا اصلی شکل و حلیہ بگڑ جاتا ہے، کیونکہ گناہ کرنا یعنی نماز، روزہ وغیرہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا دین میں کمی کرنا ہے اور بدعت کرنا دین میں زیادتی کرنا ہے۔اسی طرح بدعت بھی ہے کہ یہ دین میں زیادتی ہے۔ بدعت کرنے والا اس گناہ (بدعت) کو گناہ بھی نہیں سمجھتا، بلکہ ثواب کی نیت سے کرتا ہے اور اس سے کبھی بھی باز آنے کا ارادہ نہیں رکھتا کیونکہ ہر بدعتی بدعت کو دین و ثواب سمجھ کر کرتا ہے اس لیے اپنی بدعت کو چھوڑتا نہیں اور نہ ہی اس سے توبہ کرتا ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اَلْبِدْعَةُ اَحَبُّ اِلٰی اِبْلِیْسَ مِنْ کُلِّ الْمَعَاصِیْ لِاَنَّ الْمَعَاصِیْ یُتَابُ عَنْهَا وَلَا یُتَابُ عَنِ الْبِدْعَةِ۔ [مجالس الابرار بحوالہ اُصول السنۃ]

"یعنی بدعت شیطان کے ہاں تمام گناہوں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ باقی گناہوں سے توتوبہ بھی کرلی جاتی ہے جب کہ بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی۔"

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عطیف رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِی الْاِسْلَامِ حَدَثًا فَاقْطَعُوْا لِسَانَهٗ۔ [طبقات الکبریٰ ۷/ ۴۲۹]

"جو شخص اسلام میں نئی چیز گھڑے تو اس کی زبان کاٹ ڈالو"۔

اسی بناء پر بدعت عام گناہوں سے بڑا گناہ اور قبیح فعل ہے۔ اس لیے شریعت نے اس سے منع کیاہے کہ:

قُلْ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ [مائدہ: ۷۷]

"کہو کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں نا حق غلو (زیادتی) نہ کرو یعنی بدعات نہ نکالو اور ان لوگوں کی خواہش کی پیروی نہ کرو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کرچکے ہیں اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔"

چند مشہور بدعات اور رسومات

وہ مشہور بدعات و رسوم جو نہ قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور نہ کہیں قرون ثلاثہ میں ان کا وجود تھا بلکہ بعد میں اپنی طرف سے نکالی گئیں یا اپنی طرف سے عبادات میں تعین و تخصیص، ہیئت و طریقہ، اوقات و جگہ کو مقرر کیا گیا، جس کا ثبوت شارح علیہ السلام سے کہیں نہیں ملتا، مندرجہ ذیل ہیں۔ ذکر بالجہر اور ذکر کے حلقے، نمازِ جنازہ اور سنن کے بعد دعا بہیئتِ اجتماعی، جنازے کے ساتھ ساتھ ذکرِ جہری کرنا، حیلہ اسقاط اور قرآن کا دَور کرنا، مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے دن متعین کرنا جیسے پہلی رات، قل، تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں، برسی، عرس منانا، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کرنا، ذوالجناح کے جلوس نکالنا، محرم میں تعزیہ بنانا، حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی سبیل لگانا، ۱۰ محرم کو شربت پینا پلانا، اور اسی دن ان کے ایصال ثواب کے لیے کھانا وغیرہ پکانا، نوحہ گری، ماتم اور واقعہ کربلا کی جھوٹی داستانوں کے لیے محفلیں سجانا، اور اس مہینے میں نکاح اور شادی نہ کرنا۔ صَفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا اور اس میں یہود و ہنود کی رسومات، آخری چہار شنبہ کو ثرید (چُوری) کرنا، شب برأت میں چراغاں اور آتش بازی کرنا، رمضان میں الوداعی خطبہ اور رات کو اجتماعی طور پر عبادت کے لیے جاگنا اور رمضان کے آخری جمعے کو قضائے عمری پڑھنا، تئیسویں رمضان کی رات کو سورۃ عنکبوت، سورۃ روم پڑھنے کے لیے خاص کرنا، شوال میں عید کے دن التزاماً سویاں پکانا اور عید کی نماز کے بعد بغل گیر ہو کر ملنا یا مصافحہ کرنا، دونوں عیدوں پر سرور و ناچ کرنا، شادی کے موقعے پر برادری کو دلہن کے شوہر کے گھر لانے سے پہلے کھانا دینا، مردوں کا مہندی لگانا، بارات پر جانا، سہرا باندھنا، اس کے علاوہ خصوصاً ہمارے برصغیر پاک و ہند میں شادی کے موقعے پر ہندوؤں کی رسموں کی پابندی کرنا، اسی طرح ختنہ کے دن دعوت کرنا۔ ختنہ، عقیقہ اور بچے کے ختمِ قرآن پر شادی کی طرح محفل سجانا، اس میں مختلف رسمیں بجالانا اور موت کے موقع پر نوحہ کرنا، ماتم کرنا، گریبان پھاڑنا، میت کو اجنبی (غیر آدمی) سے غسل دلوانا، غسل پر اُجرت لینا دینا، غسل کی جگہ پر سکّے پھینکنا اور رات کو وہاں

روشنی کرنا، کفن میں فضول خرچی کرنا، کچھ ٹکڑے لینے دینے کے لیے رکھنا، کفن کے کپڑے سے جائے نماز بنانا، تختے کا حلوہ پکانا، قبروں کو پختہ بنانا، قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں وغلاف چڑھانا، قبروں پر نقش و نگار کرنا، کتبہ لگانا اور اس پر نام و تاریخ کندہ کرنا، اونچی اونچی قبریں بنانا ، ان پر گنبد تعمیر کرنا، قبر پر چراغ، شمع اور اگر بتی جلانا، قبرستان کو توشہ (خوراک وغیرہ) لے جانا، قبر پر اذان دینا، میت کے گھر پر مہمان نوازی کا انتظام کرنا۔ مغرب سے پہلے پہلے صدقہ دینے میں جلدی کرنا، سات جمعرات اور چالیس دن تک روزانہ صدقہ دینا، تیسرے دن قبر پر جمع ہونا، عورتوں کا قبرستان جانا اور عام لوگوں کا خاص خاص مواقع مثلاً شبِ برأت، محرم اور عیدین پر قبروں کی زیارت کے لیے جانا۔ ہندوؤں اور عیسائیوں وغیرہ کی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ میت کی روح گھر آتی اور گھر کی چھت اور دیواروں پر ہوتی ہے، قرآن خوانی کرنے کے لیے قبر پر حافظ بٹھانا اور ایصالِ ثواب کے لیے مروجہ قرآن خوانی کرنا وغیرہ۔

حضرت شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے "اُصول السنۃ" میں غم کے موقع پر پچاس سے زائد بدعات و رسومات گنوائی ہیں۔ یہاں ان میں سے چند عام بدعات پر علمائے دین خصوصاً علمائے دیوبند کی کتابوں کے حوالہ سے مختصر بحث کی جاری ہے۔

ذکر اور دعا

در حقیقت ذکر کرنا، اللہ کو یاد کرنا اور دعا کرنا بہت بہتر عبادت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ [احزاب:۴۱]

"اے ایمان والو! اللہ کا تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔"

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ [مومن:۶۰]

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ ہی سے مانگا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کرونگا"۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ ذکر قابل قبول ہے کہ جو شریعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہو۔ اب جہاں جہاں ذکر اور دعا شریعت قرآن وسنت سے ثابت ہو اور جس طریقے اور جن آداب و شرائط سے اللہ کو یاد کرنا اور اللہ سے مانگنا ثابت ہو اُسی طریقے اور آداب و شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور دعا مانگنا ہی کار ثواب ہے نہ کہ اپنی طرف سے نت نئے طریقے نکال کر۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اور دعا کے لیے چند شرائط وآداب بھی ہمارے لیے بیان کردیئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ [اعراف:۲۰۵]

"اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ بغیر آواز بلند کیے ہونے صبح وشام یاد کرتے رہو اور غافلوں میں سے مت ہو"۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ [اعراف:۵۵]

"اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے مانگا کرو بے شک اللہ تعالی حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

ان آیات میں ذکر اور دعا کے کچھ شرائط اور آداب یہ بیان کئے گئے ہیں وہ یہ ہے:

(۱) عجز وانکساری، (۲) خوف الٰہی، (۳) آواز کی آہستگی، (۴) بلند آواز سے پرہیز۔

ذکر بالجہر

آج کل جو عام طور پر لوگ جہری یعنی بلند آواز سے ذکر اذکار کرتے ہیں، اس کے لیے حلقے بناتے ہوئے اسے اہتمام اور التزام کے ساتھ اجتماعی طور پر کرتے ہیں جذبے اور وجد میں آتے ہیں یہ تمام شریعت اور قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ تمام اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے تھے لیکن ان میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے بلند آوازوں (جہر) کے ساتھ ذکر کیا ہو یا اس کے لیے حلقے بناتے ہوئے اجتماعی ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہو یا ذکر کرتے وقت ان پر جذبے اور وجد آتے رہے ہوں۔ اگر یہ طریقہ کارِ خیر یا ثواب ہوتا تو یقیناً یہ حضرات جو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سب سے بڑھ کر تھے اسے ضرور کرتے، جبکہ یہ مروجہ طریقہ نہ قرآن سے کہیں ثابت ہے نہ ہی صحیح احادیث مبارکہ میں ان کا ذکر موجود ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ نے اپنی زندگی میں کبھی کیا ہے۔ پھر آج یہ سب کچھ ثواب اور دین کیسے بن گیا، بلکہ حقیقتاً یہ سب بدعت اور ناجائز ہے۔

ابن ہمام محمد بن عبدالواحد حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْاَصْلُ فِی الْاَذْکَارِ اَلْاِخْفَاءُ وَالْجَهْرُ بِهَا بِدْعَةٌ۔ [فتح القدیر: ۱/ ۴۳۰]

"اذکار میں اصل اخفا (چپکے) کرنا ہے اور جہر بدعت ہے"۔

شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذکر جہر درمذهب حنفیه بدعت است ۔ [مائۃ مسائل ۹۴]

یعنی ذکر بالجہر حنفی مذہب میں بدعت ہے۔

اور جو لوگ ذکر وتلاوت کے وقت اپنے آپ پر جذبے اور وجد تاری کرتے ہیں ان کے بارے میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ زمر کی آیت نمبر: ۲۳ کے تحت فرماتے ہیں:

هٰذَا نَعْتُ اَوْلِيَاءِ اللهِ نَعَتَهُمُ اللهُ عزوجل بِاَنْ تَقْشَعِرَّ جُلُوْدُهُمْ وَ تَبْكِيَ اَعْيُنُهُمْ وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَلَمْ يَنْعَتْهُمْ بِذِهَابِ عُقُوْلِهِمْ وَ الْغِشْيَانِ عَلَيْهِمْ اِنَّمَا هٰذَا فِيْ اَهْلِ الْبِدَعِ وَ هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ۔ [ابن کثیر، روح المعانی]

"یہ اولیاء اللہ کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، (خوف خدا سے) روتے ہیں اور اس سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفت بیان نہیں کی ہے کہ ذکر سے ان کی عقلیں کام کرنا چھوڑ دیں گی اور یہ بے ہوش ہو جائیں گے بلکہ یہ عمل اھل بدعت کا ہوتا ہے اور یہ سب کچھ شیطان کی طرف سے ہے"۔

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَهٰذَا كُلُّهٗ مِنَ الشَّيْطَانِ يَلْعَبُ بِهِمْ وَهٰذَا كُلُّهٗ بِدْعَةٌ وَضَلَالَةٌ۔ [اعتصام: ۱/ ۲۷۹]

"یہ بے ہوشی اور وجد وغیرہ تمام شیطان کی طرف سے ہے، شیطان ان سے کھیلتا ہے اور یہ تمام بدعت اور گمراہی ہے"۔

اسی طرح ذکر کے لیے حلقے بنانا اور اجتماعی ذکر کرنا بھی بدعت ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کسی نے اطلاع دی کہ فلاں مسجد میں لوگ اجتماعی طور پر بلند آواز سے تسبیح و تہلیل اور تکبیر پڑھ رہے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ عمل کرتے دیکھا تو اسکی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا: لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظُلْمَاءَ یقیناً تم نے ایک تاریک بدعت ایجاد کی ہے۔ یہ کام میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سنتوں کے بعد اجتماعی دعا

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ دعا عبادت ہے، ہر وقت ہو سکتی ہے کسی بھی وقت دعا مانگنا منع نہیں۔ البتہ دعا کا طریقہ وہی ہوگا جو شریعت میں نقل ہو اگر شریعت میں ایک طریقہ نقل نہ ہو اور لوگ اس کو کار ثواب اور دین سمجھ کر کرتے ہوں تو وہ بدعت بن جاتی ہے۔ جیسے کہ ہمارے زمانے میں اکثر ائمہ، مساجد میں فرض نماز پڑھنے کے بعد متصلاً اسی جگہ محراب میں اُٹھ کر سنت پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر سنتوں کے بعد اجتماعی شکل میں التزام کے ساتھ دعا کرتے ہیں، بلند آواز سے دعا کے الفاظ بولتے ہیں اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں۔ کوئی تین تین دفعہ دعا مانگتے ہیں کسی کا کوئی اور طریقہ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ قرآن و سنت کے خلاف اور بدعت ہے۔

اولاً یہ طریقہ قرآن میں کہیں بھی موجود نہیں، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ نے ایسا کیا ہے اور نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا یہ عمل رہا ہے۔

دوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنت گھر میں پڑھا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و سلف کا بھی یہی عمل تھا۔ جب انھوں نے سنت مسجد میں پڑھی ہی نہیں تو اجتماعی دعاء بعد السنن کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ صَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهٖ اِلَّا الْمَكْتُوْبَه۔

[ارشاد الساری شرح بخاری ۲ : ۳۴۳]

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم فرماتے ہیں کہ اے لوگو! گھروں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ فرض نماز کے سوا مرد کی بہترین نماز وہ ہے جو وہ گھر میں پڑھے۔

سوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاء نے بھی امام کے لیے اُس جگہ پر سنت ادا کرنے کو مکروہ کہا ہے جہاں فرض ادا کی جائے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يُصَلِّي الْاِمَامُ فِي مَوْضِعِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّل۔

[مشکوٰۃ: ۸۸]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام اُسی جگہ نماز (سنت و نفل) نہ پڑھے جس جگہ میں فرض پڑھی ہو مگر اس جگہ سے دوسری طرف جائے۔"

امام علاؤالدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَيُكْرَهُ لِلْإِمَامِ اَنْ يُّصَلِّيَ شَيْئًا مِنَ السُّنَنِ فِيْ مَكَانِ الَّذِيْ صَلَّى فِيْهِ الْمَكْتُوْبَةَ وَ قَدْ رَوَيْنَا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اِذَا صَلَّى اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ۔

[بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱ :۲۸۵]

امام کے لیے اس جگہ سنت پڑھنا مکروہ ہے جہاں اس نے فرض پڑھے ہوں۔اس لیے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ذکر کی ہے وہ فرماتے کہ کیا تم عاجز ہو کہ (فرض) نماز پڑھنے کے بعد (سنت نماز کے لیے اس جگہ سے) آگے یا پیچھے ہو جاؤ۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَلَا يَتَطَوَّعُ فِيْ مَكَانِ الْفَرِيْضَةِ لٰكِنَّهُ يَنْحَرِفُ يُمْنَةً اَوْ يُسْرَةً اَوْ يَتَاَخَّرُ وَاِنْ شَآءَ رَجَعَ اِلَى الْبَيْتِ يَتَطَوَّعُ فِيْهِ۔ [عالمگیری ۱ : ۸۸]

امام اس جگہ پر نفل وسنت نہ پڑھے جہاں فرض پڑھے ہوں بلکہ دائیں بائیں یا پیچھے ہو جائے اور اگر چاہے تو گھر جا کر سنت پڑھے۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَا يَشْتَغِلُ بِالتَّطَوُّعِ فِيْ مَكَانِ الْفَرِيْضَةِ لِلْحَدِيْثِ الْمَرْوِيِّ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اِذَا صَلَّى اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ بِسَبْحَةٍ اَيْ بِنَافِلَةٍ لٰكِنَّهُ يَتَحَوَّلُ اِلٰى مَكَانٍ آخَرَ وَالْاَوْلٰى اَنْ يَّتَقَدَّمَ الْمُقْتَدِيْ وَيَتَاَخَّرَ الْاِمَامُ۔ [المبسوط ۱: ۳۸]

فرض نماز کی جگہ پر سنت نہ پڑھے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ کیا تمہیں عاجز کرتا ہے اس بات سے کہ (فرض) نماز پڑھنے کے بعد سنن آگے یا پیچھے ہو کر پڑھے۔ بلکہ امام دوسری جگہ چلا جائے اور بہتر تو یہ ہے کہ مقتدی کو آگے (اپنے مصلی پر) کھڑا کرے اور امام (خود) پیچھے ہو جائے۔

چہارم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کے بعد دعا اور اذکار کی ترغیب دی ہے اور خود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول رہا ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلٰوةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ۔ [بخاری ۱: ۱۱۷]

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (فرض) نماز پڑھ لیتے تو اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کر لیتے۔

وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِيْرِ وَ دُبُرُ الصَّلٰوتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔ [مشکوٰۃ: ۸۹]

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ سے پوچھا گیا کہ کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدھی رات میں اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔

عَنِ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ [مشکوٰۃ ۱ : ۸۸]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فرض نماز کے بعد مندرجہ بالا ذکر اور دعا پڑھا کرتے تھے۔

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نفائس مرغوبہ میں منہج العمال اور العقائد السنیۃ سے نقل کیا ہے کہ:

إِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ مَسْنُوْنٌ وَكَذَا رَفْعُ الْيَدَيْنِ وَمَسْحُ الْوَجْهِ بَعْدَ الْفَرَاغِ۔

[نفائس مرغوبہ: ۱۲]

فرض نماز کے بعد دعا مسنون ہے اور اسی طرح ہاتھ اٹھانا اور دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا بھی مسنون ہے۔

پنجم: علماء حق خصوصاً علماء دیوبند نے سنت کے بعد اجتماعی دعاء کو بدعت کہا ہے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمان دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سنن ونوافل کے بعد اجتماعاً دعا کا پابند مقتدیوں کو نہیں کرنا چاہیے۔ فرائض کے بعد کوئی شخص مثلاً گھر جا کر سنتیں پڑھنا چاہتا ہے تو اسکو کیوں پابند کیا جاوے"۔

[فتاوی دار لعلوم دیوبند ۴ : ۲۱۲]

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسی طرح سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا اہتمام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں بلکہ عام سنتیں اپنے اپنے گھر جا کر ادا کیا کرتے تھے۔ مسجد میں اسکی نوبت کم ہی آتی تھی فقہانے بھی یہی لکھا ہے کہ سنتوں کو مکان (گھر) میں پڑھنا افضل ہے"۔ [فتاوی محمودیہ ۱۳: ۵۱]

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ حدیث وفقہ سے کہیں یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قرون ثلاثہ میں دعاء کا یہ طریقہ تھا کہ سنتیں نفلیں پڑھ کر ساری جماعت دعاء مانگتی ہو (آگے لکھتے ہیں) پھر اگر اس التزام کا لحاظ بھی کر لیا جائے جو بعض اطراف میں ہے کہ اس طریقہ دعا کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں تو پھر اسکے بدعت ہونے میں کسی طرح کا شک باقی نہیں رہتا"۔ [کفایت المفتی ۳: ۲۸۸]

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سنن ونوافل کے بعد جو مروجہ طور پر اجتماعی دعا مانگی جاتی ہے یہ بدعت ہے۔ اور خلاف سنت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے بر خلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اجتماعی دعا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ [خیر الفتاوی: ۵۷۱]

مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کے لیے امام اور مقتدیوں کا بیٹھے رہنا اور پھر مل کر دعا کرنا صحیح نہیں اسکا اہتمام اور التزام بدعت ہے۔ بدعت کا لفظ مطلق بولا جائے تو بدعت سیئہ ہی مراد ہوتی ہے"۔ [آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲ : ۲۷۴]

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"(سنت کے بعد اجتماعی دعا) یہ بدعت ہے اسکی کچھ اصل نہیں بالخصوص التزام اور اصرار کی وجہ سے یہ بدعت سئیہ میں داخل ہے۔ (پھر آگے لکھتے ہیں) پس متولیان مسجد کو اس طریقہ بدعت پر ہر گز مجبور کرنا جائز نہیں اور یہ چیز بالکل خلاف شریعت اور اشاعت بدعت ہے۔ جس کا فاعل شرعاً بوجہ ابتداع کے مستحق گناہ عظیم ہے"۔ [امداد الاحکام ۱: ۱۷۹]

الغرض دعا ہر وقت خواہ فرض کے بعد ہو یا سنت و نفل کے بعد ہر وقت انفرادی طور پر کی جا سکتی ہے، البتہ اجتماعی دعا کرنا اور اس مروجہ اہتمام و التزام کے ساتھ کرنا اور اس کو سنت یا مستحب کہنا جائز نہیں بلکہ بدعت ہے۔

حیلۂ اسقاط

شرعی حیلۂ اسقاط:

اسقاط کا شرعی اور اصلی طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ سفر یا بیماری کی وجہ سے نماز یا روزے قضاء کریں اور اسے پھر قضاء کے ادا کرنے کے لیے وقت نہ ملے سفر یہ میں یا بیماری ہی میں وفات پاگیا تو اس پر کوئی قضاء و کفارہ نہیں البتہ اگر بیماری سے شفاء ملی یا سفر سے واپسی ہوئی اور قضاء بجالانے کے لیے وقت نہیں ملا تو پھر اس آدمی سے جتنے روزے یا نمازیں قضا ہو گئیں تھیں ان کا کفارہ دینا ہوگا۔ بشرطیکہ اس نے کفارہ دینے کی وصیت کی ہو اور اس کے ترکہ کے ایک تہائی سے یہ کفارہ ادا کیا جائے گا جو ہر نماز یا روزے کے بدلے پونے دو سیر گندم کے حساب سے ہوگا۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو پھر ورثا پر کفارہ دینا لازم نہیں اور نہ اس ترکے سے جس میں ورثاء کا حق ہو، اُن کی اجازت کے بغیر دیا جاسکتا ہے۔ اور نہ اس ترکے سے کہ جس میں یتیم بچے شریک ہوں کیونکہ ان کی اجازت معتبر نہیں۔ البتہ کوئی بھی رشتہ دار اگر اپنے مال سے کفارہ دے دیں تو یہ ان کا میت کیساتھ احسان ہوگا۔

مروجہ حیلۂ اسقاط:

اب یہ حیلہ اسقاط جو بعض علاقوں میں مروجہ ہے جس میں پورے فدیہ کی بجائے چند روپے یا گندم وغیرہ کے اوپر قرآن رکھ مولوی صاحبان دائرہ میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو ہبہ کرتے ہیں، بخشواتے ہیں اور کہتے ہیں ان تھوڑے روپوں سے ہم اس طریقے پر زیادہ بناتے ہیں جو تمام کفارات کا بدلہ بن جاتا ہے وغیرہ۔

ایک تو یہ طریقہ کار قرآن وسنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ سے ثابت نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس میں یتیم اور غیر حاضر ورثاء کا حق ہوتا ہے۔ تیسرا اس میں ہر قضاء کا پورا فدیہ نہیں ہوتا۔ چوتھا یہ کہ فقیر و غنی تمام کو دیا جاتا ہے جبکہ فدیہ فقیر کو دینا شرط ہے۔ پانچواں ایک پورا فدیہ ایک ہی فقیر کو دینا لازمی ہے جبکہ اس مروجہ طریقے میں پورے فدیے کی بجائے کم رقم ۵ یا ۱۰ روپے دیئے جاتے ہیں جو آج کل پورے فدیے سے

کم ہیں۔اسی طرح اس میں اور بھی بہت سے نقصانات ہیں۔

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسقاط مروجہ بوجوہ کثیرہ ناجائز اور مفاسد عدیدہ پر مشتمل ہے اسی لیے اس مروج طریقہ کاترک واجب ہے۔مروجہ اسقاط یقیناً ناجائز و بدعت ہے۔" [ص ۷۴اج ۴]

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حیلہ اسقاط مروجہِ عوامِ زمانہ بلاشبہ بدعت ہے اولاً اس لیے کہ اگر یہ کوئی کار خیر ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے لیے زیادہ احق تھے۔انکی شفقت عام مومنین سے بڑھ کر تھی۔مگر انہوں نے کبھی یہ حیلہ اسقاط نہ کیا۔فلہذا عدم تملیک حقیقیہ اور دیگر مفاسد کیوجہ سے اسکا ترک کرنا لازم ہے"۔ [فتاوٰی دار العلوم دیوبند ۱۷۰:۲]

مولانا مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مروجہ حیلہ اسقاط ناجائز اور بدعت ہے چند وجوہ سے"۔ [خیر الفتاوٰی ۳ : ۳۱۲]

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

"قرآن شریف جنازہ کے ساتھ لے جانا خلاف شرع ہے اور ناجائز ہے۔" [دار العلوم ۲۸۳:۵]

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مروجہ طریقہ ناجائز اور بدعت ہے۔قرآن، حدیث اور فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔اور نہ ہی قرون مشہود لہا بالخیر میں اسکا کوئی وجود ہے"۔ [احسن الفتاوی ۱ : ۳۴۸]

قبروں پر غلاف، پھول چڑھانا، چراغ، اگر بتی جلانا اور اس کو پختہ بنا کر گنبد بنانا، قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و سلف وآئمہ مجتہدین کے عمل سے یہ چیزیں ثابت نہیں۔نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبر کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف سے یہ ثابت ہے لہٰذا یہ تمام کام ناجائز اور بدعت ہیں۔حدیث میں آتا ہے۔

عَنْ عَبْدُاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ [ترمذی ۷۳:۱، ابوداؤد ۱۰۵:۲]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں اور اس پر چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے"۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ اَنْ یُّجَصِّصَ الْقُبُوْرَ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْہِ وَاَنْ یَّقْعُدَ عَلَیْہِ۔ [ترمذی ۲۰۳:۱، مشکوٰۃ ۱۴۸:۱]

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت (گنبد) بنانے اور بیٹھنے سے منع فرمایا ہے"۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"چادر قبر پر چڑھانا خود بھی ناجائز ہے"۔ [امداد المفتین : ۱۹۷]

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا، قرون ثلاثہ میں ثابت نہیں یہ صریح بدعت ہے اور تشبہ بالہنود کی وجہ سے بھی حرام ہے اور قبر پر پھول ڈالنا بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں ثابت نہیں"۔ [امداد الاحکام ۱ : ۱۸۴]

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں"۔ [خیر الفتاوٰی ص ۱۶۹ ج ۳]

مولانا مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں"۔ [امداد المفتین ص ۱۶۶ ج ۲]

"قبروں پر چراغ جلانا خود ناجائز ہے۔ حدیث میں اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر چراغ جلائے"۔ [امداد المفتین ۱۹۳ ج ۲]

حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قبر کو ایک بالشت سے بہت زیادہ بلند کرنا مکروہ تحریمی ہے"۔ [بہشتی زیور ۹۶:۱۱]

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"احادیث اور کتب فقہ میں قبور پر مکان قبہ اور روضہ بنانے سے ممانعت وارد ہوئی۔۔۔علماء اکابر دیوبند کی قبور بھی سادہ طور پر بغیر بناء کے ہیں۔صحابہ کرام اور سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبریں سب بغیر بناء کے ہیں"۔ [خیر الفتاوٰی ۳ :۱۸۵]

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اونچی قبریں بنانا، قبروں کو پختہ بنانا، قبروں پر گنبد، قبے اور عمارتیں بنانا، غلاف ڈالنا، چادریں چڑھانا، نذریں ماننا، طواف کرنا، سجدہ کرنا، یہ تمام امور منکراتِ شرعیہ میں داخل ہیں۔ شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے ان امور سے صراحۃً منع فرمایا ہے۔احادیث صحیحہ میں اسی قسم کے امور کی ممانعت وارد ہے جو شرک یا مفضی الی الشرک ہے"۔

[کفایت المفتی ۴: ۶۹]

عرس اور میلاد منانا

قرآن وسنت میں کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی نبی ولی کے یوم پیدائش یا یوم وفات کے منانے کا ثبوت ہو، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر میں اپنا یوم پیدائش (عید میلاد النبی علیہ السلام) منایا نہ ہی کسی اولاد یا صحابی کی یوم پیدائش منائی ہو۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ نے آپ کی یوم پیدائش پر میلاد منائی ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات پر ہر سال یوم وفات اور عرس منعقد کیا ہے۔ ان باتوں سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ کی زندگی خالی نظر آتی ہے بلکہ یہ میلاد منانا اور عرس منعقد کرنا بعد کے پیدا کردہ بدعات ہیں۔

فقیہ اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ محفل چونکہ زمانہ فخر عالم علیہ السلام میں اور زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور زمانہ تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ اور زمانہ مجتہدین میں نہیں ہوئی اس کی ایجاد بعد چھ سو سال کے ایک بادشاہ نے کی۔ اس کو اکثر اہل تاریخ فاسق لکھتے ہیں لہٰذا یہ مجلس بدعت ضلالہ ہے اس کے عدم جواز میں صاحب مدخل وغیرہ علماء پہلے لکھ چکے ہیں اور اب بھی بہت رسائل، فتاویٰ طبع ہو چکے ہیں۔ زیادہ دلیل کی حاجت نہیں، عدم جواز کے واسطے یہ دلیل بس ہے کہ کسی نے قرون خیر میں اس کو نہیں کیا۔ زیادہ مفاسد اس کے دیکھنے ہوں تو مطولات فتاوٰی کو دیکھ لیں"۔

آگے لکھتے ہیں:

"مجلس مولود مروجہ بدعت ہے اور بسبب امور مکروہ کے مکروہ تحریمی ہے اور قیام بھی بوجہ خصوصیت کے بدعت ہے اور امرد لڑکوں کا پڑھنا راگ میں بہ سببِ اندیشۂ ہیجان فتنہ کے مکروہ ہے اور فاتحہ مروجہ بھی بدعت ہے مع ہذا مشابہ بفعل ہنود ہے اور تشبیہ غیر قوم کے ساتھ منع ہے"۔ [فتاوٰی رشیدیہ ۲۵۵، ۲۵۶]

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"مروجہ مجالس میلاد کا منعقد کرنا ہی بے اصل ہے"۔ [کفایت المفتی ا، ۱۴۱]

میلاد شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے صدیوں بعد ایجاد ہوئی ہے حضور کے عہد سعود اور صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے زمانہ مبارک میں اس کا وجود نہ تھا۔ [کفایت المفتی جلد ا، ص ۱۴۴]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"عید میلاد النبی کے نام سے کوئی جلسہ کرنا صحیح نہیں۔ہاں سیرت مقدسہ کی تبلیغ وبیان کے لیے جلسہ کرنے میں مضائقہ نہیں اور اس کے لیے کسی خاص تاریخ کی تخصیص نہیں اور فضولیات وبدعات سے احتراز رکھنا لازم ہے"۔ [کفایت المفتی جلد ا، ص ۱۴۴]

مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"رسول کریم ﷺ کا ذکر مبارک اور آپ کے حالات طیبات کا پڑھنا اور سننا تو مسلمان کے لیے تمام امور میں خیرات وبرکات کا مدار ہے۔بلکہ واجب وضروری ہے لیکن محفل میلاد کی جو موجودہ زمانہ میں رسم پڑ گئی ہے اس میں طرح طرح کی بدعات اور ناجائز کام شامل ہوگئے ہیں اس لیے جمہور علماء امت نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے"۔ [امداد المفتین ا، ۱۷۲]

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"محفل میلاد میں قیام بدعت ہے۔حدیث میں اس کی صاف ممانعت آتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین حیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو فرمایا کہ تم کھڑے ہو کر میری تعظیم نہ کیا کرو۔جیسا کہ عجم کا دستور ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی کھڑے ہو کر تعظیم کرتے ہیں محفل میلاد کسی خاص دن میں کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا، شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کا اہتمام کرنا یہ امور شرعاً ناجائز ہیں۔نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس میں حاضر ہونے کا اعتقاد رکھنا شرک ہے ان امور سے اگر مجلس منزہ ہو تو باعث برکت وہدایت ہے ورنہ ضلالت وگمراہی"۔ [احسن الفتاوی ا، ۳۸۳]

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی ساعرس اور مولود درست نہیں ہے"۔ [فتاویٰ رشیدیہ ۲۷۵]

"عرس کا التزام کرے یا نہ کرے بدعت اور نادرست ہے تعین تاریخ سے قبروں پر اجتماع کرنا گناہ ہے خواہ اور لغویات ہوں یا نہ ہوں"۔ [فتاویٰ رشیدیہ ص۲۷۶]

شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مقرر ساختن روزعرس جائز نیست و در تفسیرمظہری مینویسد لایجوز ما یفعلہ الجہال بقبور الاولیاء و الشہداء من السجود والطواف حولها اتخاذا لسرج والمساجد اليهاومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد و يسمونہ عرسًا۔

[مسائل اربعین ۳۸]

یعنی دن مقرر کرکے عرس کرنا جائز نہیں جیسا کہ تفعیر مظہری میں لکھا ہے کہ جو جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کے قبروں پر سجدے، طواف کرتے ہیں، اس پر چراغ جلاتے ہیں، وہاں مساجد بناتے ہیں اور سال کے بعد وہاں عید جیسا اجتماع کرتے ہیں جسے عرس کہتے ہیں، یہ تمام ناجائز ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قبور اولیاء بلند کردن و گنبد برآن ساختن وعرس وامثال آن و چرا غان کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام است و بعض مکروہ ۔ پیغمبر خدابر شمع افروز ان نزد قبر و سجدہ کنند گان رالعنت گفتہ۔

یعنی اولیاء کے قبریں اونچی کرنا، اس پر گنبد بنانا، عرس کرنا، چراغ جلانا تمام بدعت ہے، بعض حرام اور بعض مکروہ۔ پیغمبر علیہ السلام خدا نے قبر پر شمع جلانے اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ [ارشاد الطالبین ٦٥]

ایصال ثواب کے لیے دن مقرر کرنا

میت کو ایصالِ ثواب کرنا، صدقہ وخیرات دینا اسی طرح نفلی عبادات سے میت کو ثواب پہنچانا اس طریقے سے جائز اور صحیح ہے کہ یہ کام اللہ کے نام پر کرکے ثواب ان کو پہنچایا جائے لیکن ایصال ثواب کے لیے دنوں کا مقرر کرنا اور تاریخوں کی کوئی تعین و تخصیص کرنا، اور میت کے گھر کھانے وغیرہ کے لیے جمع ہونا، شریعت سے ثابت نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے ۱۲ ربیع الاول، حسنین کو ایصال ثواب کے لیے ۱۰ محرم، عام مردوں کے لیے پہلی رات، شب جمعہ، قل، تیجہ، چہلم، برسی وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اسے ضروی سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ بدعت، ناجائز اور ہندوانہ طریقہ ہے۔ جس کی تصدیق نو مسلم مولانا عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو پہلے پنڈت تھے، نے اپنی "کتاب تحفہ الہند: ۹۱" میں اور مشہور مؤرخ البیرونی نے "کتاب الہند: ۲۷" میں کی ہے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ہندوستان میں خاص رسم سوئم کی ہے اور کسی ولایت میں کوئی جانتا بھی نہیں یہ ہنود کے تیجہ کو دیکھ کر وضع ہوا ہے۔ [البراہین القاطعہ: ۱۱۱]

الغرض ایصال ثواب ہر وقت ہو سکتا ہے۔ جب بھی استطاعت ہو میت کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے اور خیرات کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے کوئی خاص دن اپنی طرف سے مقرر کرنا اور اس کے لیے نام رکھنا شریعت سے قطعاً ثابت نہیں، نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایسا کیا ہے نہ ہی سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ سے نقل ہے، بلکہ انہوں نے برا مانا ہے۔

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نَرَى الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنْعَةَ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ۔ [ابن ماجہ ۱۱۷]

"ہم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) میت کی گھر جمع ہونے اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ سمجھتے تھے۔"

علامہ ابن امیر الحاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَمَّا اِصْلَاحُ اَهْلِ الْبَيِّتِ طَعَامًاوَجَمْعُ النَّاسِ فَلَمْ يَنْقُلْ فِيْهِ شَيْءٌ وَهُوَ بِدْعَةٌ غَيْرُ مُسْتَحَبٍّ۔ [مدخل ۴: ۲۷۵]

یعنی اہل میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کا جمع کرنا اس میں کوئی چیز منقول نہیں بلکہ یہ بدعتِ غیر مستحبہ ہے۔

خلاصۃ الفتاوٰی میں ہے:

وَلَا يُبَاحُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ عِنْدَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ لِاَنَّ الضِّيَافَةَ يَتَّخِذُ عِنْدَ السُّرُوْرِ۔ [۲:۴۲]

اہل میت کی طرف سے تین دن تک ضیافت جائز نہیں کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوا کرتی ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

این اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتمی بدعت است وحرام۔ [شرح سفر السعادت: ۲۷۳]

تیسرے دن کا یہ خاص اجتماع (رسم قل)، دوسرے تکلفات اور مردے کا مال جو یتیموں کا حق بن چکا ہے بغیر وصیت کے خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"الغرض زید کا قول اس بارے میں صحیح ہے کہ سوم و دہم، چہلم سب ممنوع بدعت ہے اور کھانا میت کا موافق تفصیل فقہاء مکروہ ہے بکر کا قول بلا دلیل ہے"۔

[فتاوٰی دار العلوم جلد ۱، ص ۳۲۴]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"برادری کو کھانا تقسیم کرنا محض ریا اور حرام ہے"۔ [فتاوٰی دار العلوم جلد ۱، ص ۳۲۴]

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کہ عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ یہ رسم بدعت ہے۔ اس کے کرنے والے اور اس کے کھانے والے گناہگار ہیں اور جب انہیں ثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ ہوا تو میت کو کہاں ثواب پہنچا"۔ [امداد الفتین ۱۶۹: ۲]

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اہل میت کے ہاں تین دن تک کچھ نہیں کھانا چاہیے"۔[کفایت المفتی ۱۰۸: ۴]

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مجتمع ہونا عزیز و اقارب وغیرہم کا واسطے پڑھنے قرآن مجید کے یا کلمہ طیبہ کے جمع ہو کر روز وفات میت کے یا دوسرے یا تیسرے روز بدعت و مکروہ ہے شرع شریف میں اس کی کچھ اصل نہیں"۔ [فتاویٰ رشیدیہ: ۱۵۴]

"جو بدعات مثل تیجہ وغیرہ کے ہیں ان کا کرنا کسی وجہ سے درست نہیں۔ قاعدہ شریعت کا ہے جو چیز بھلائی اور برائی سے ملی ہوئی ہو اس کو حکم شریعت برائی کا دیتی ہے۔ اس کی بھلائی پر نظر نہیں ہوتی"۔ [فتاویٰ رشیدیہ: ۱۵۶]

"میت کے واسطے کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھنا بہت بہتر اور ثواب ہے مگر تخصیص تیسرے روز کی اور چنوں کی بدعت ہے، وہاں شریک نہ ہونا چاہیے"۔ [فتاویٰ رشیدیہ: ۱۵۹]

"چالیس روز تک روٹی کی رسم کر لینا بدعت ہے ایسے ہی گیارہویں بھی بدعت ہے بلا پابندی رسم و قیود ایصالِ ثواب مستحسن ہے"۔ [فتاویٰ رشیدیہ: ۱۶۱]

مولانا عبد الحئ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و اوراضروری انگشتن درشریعت محمدیہ ثابت نیست"۔ [مجموعہ فتاوی ۳: ۷۷]

تخصیص کیساتھ تیسرے دن وغیرہ کا (ایصال ثواب و خیرات کے لیے) مقرر کرنا اور اسے ضروری سمجھنا شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت نہیں۔

نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جنازے ہوئے ہیں آپ علیہ السلام نے خود پڑھائے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ نے بھی جنازہ پڑھائے ہیں لیکن کسی سے دعا بعد الجنازہ ثابت نہیں اگر یہ ثواب کا کام ہوتا تو یہ حضرات ضرور کرتے اور ہمیں ضرور نقل ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء اور علماء حق نے اسے بدعت اور مکروہ کہا ہے۔

علامہ سراج الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلٰوۃِ لَا یَقُوْمُ بِالدُّعَآءِ۔ [فتاوی سراجیہ: ۲۳]

"جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔"

علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَا یَدْعُوْا بَعْدَ التَّسْلِیْمِ۔ [بحر الرائق: ۱۸۳/۲]

"سلام کے بعد دعا نہ مانگے"۔

امام ابو بکر بن حامد حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ مَکْرُوْہٌ۔ [محیط باب الجنائز بحوالہ دلیل الخیرات ص ۴۸]

"نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا مکروہ ہے۔"

مولانا مفتی کفایت اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نماز جنازہ کے متصل بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور نماز جنازہ خود ہی دعا ہے۔ ہاں لوگ اپنے اپنے دل میں بغیر ہاتھ اٹھائے دعائے مغفرت کرتے ہیں تو یہ جائز ہے اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر کرنا بدعت ہے"۔ [کفایت المفتی: ۹۶/۴، ۸۵]

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نماز جنازہ کے بعد جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت ہے کتب حنفیہ میں بھی اس کی مخالفت کی گئی ہے"۔ [خیر الفتاوی: ۵۸۸/۱]

مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"عالم صاحب کو بعد نماز جنازہ اس فرمان (کہ تین بار سورۃ اخلاص، الحمد پڑھ کر میت کے لیے دعا کرو) کی ضرورت نہیں اور صحابہ وتابعین وائمہ دین کے تعامل سے ثابت نہیں۔ نماز جنازہ کافی ہے۔ وَلَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ [عزیز الفتاوی: ۱۰۰/۱]

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے:

"صلوۃ جنازہ کے بعد قرآن پاک پڑھنا یا دعا کرنا اور اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا کیونکہ دعا بعد الجنازہ امت کے مشفق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے اور اس کے بعد کسی صحابی رسول سے اور تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی سے ثابت نہیں۔ اگر دعا بعد جنازہ بہتر ہوتی تو ضرور یہ حضرات کیا کرتے تو اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ دعا بعد الجنازہ جائز نہیں بلکہ انَّهَا بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ وَلَيْسَ بِعَمَلٍ صَالِحٍ۔" [دار العلوم دیوبند: ۱۱۲/۲]

اس طرح بعض لوگ جنازہ لے جاتے وقت بلند آواز کیساتھ ذکر کرتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جنازہ کے ہمراہ جو لوگ ہوں ان کو کوئی دعا ذکر بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے"۔

[بہشتی زیور: ۹۵/۱۱]

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جنازہ کے ساتھ جہراً کلمہ پڑھنا بدعت ہے"۔ [احسن الفتاویٰ: ۳۳۸/۱]

"جنازہ کے ساتھ اشعار، نعت وغیرہ پڑھنا غیر مشروع اور بدعت ہے ترک کرنا اس کا لازم ہے"۔ [فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۳/۵]

محرم کی بدعات وخرافات

محرم کے مہینے میں اکثر لوگ شیعوں کی تقلید کرتے ہوئے ایسے کام کرتے ہیں جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہ تمام بدعات اور خرافات ہیں مثلاً بعض لوگ اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں اس میں نکاح اور شادی نہیں کرتے۔

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی لکھتے ہیں:

"شیعہ لوگ اس (محرم) کو منحوس سمجھتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک شہادت بہت بُری اور منحوس چیز ہے اور چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اسی مہینے میں ہوئی ہے اس لیے اس میں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی نکاح وغیرہ نہیں کرتے۔"

آگے لکھتے ہیں:

"جب یہ ثابت ہوا کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے تو اس میں نیک کام بہت زیادہ کرنے چاہئیں۔ نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اس میں زیادہ کرنی چاہئیں اس میں شادی کرنے سے برکت ہوگی"۔ [احسن الفتاوٰی: ۳۸۹/۱]

اس طرح اس مہینے میں خصوصاً ۱۰ محرم کو کھانا پکایا اور تقسیم کیا جاتا ہے، پانی اور شربت کے سبیل لگائے جاتے ہیں۔ یہ بھی شیعوں کا طریقہ اور ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اس کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کا نذر سمجھتے ہوئے کرتے ہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے کہ نذر اللہ نیاز حسین حالانکہ اللہ کے سوا کسی مخلوق کے نام نذر کرنا حرام اور شرک ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم تو حسین کے نام کی نذر نہیں کرتے بلکہ اللہ کے نام پر کرکے حسین اور اہل بیت کو ایصال ثواب کرتے ہیں تو بھی یہ صحیح نہیں اولاً یہ کہ غیر قوم شیعوں کی مشابہت ہے جو کہ حرام ہے۔

ثانیاً سارا سال حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت یاد نہیں ہوتے صرف محرم میں یاد آجاتے ہیں حالانکہ ایصال ثواب ہر وقت ہو سکتا ہے اس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں اور یہ اپنی طرف سے ایصال ثواب کے لیے مہینہ یا کوئی تاریخ مقرر اور متعین کرنا بھی شریعت میں جائز نہیں۔

ثالثاً یہ پانی یا شربت محرم میں دینا اس خیال سے کہ حسین اور اہل بیت پیاس کی حالت میں شہید ہوئے تھے اور ان پر پانی بند کر دیا گیا تھا یہ بھی جھوٹ ہے اور اگر بالفرض پیاس کی حالت میں شہید ہوئے ہوں تو اب جنت (برزخ) جا کر ان کی وہ پیاس بجھ ہو گئی ہو گی انہیں اب پانی کی ضرورت ہی نہیں اور نہ یہ پانی ان تک پہنچ سکتا ہے۔

اس طرح اسی روز مرد عورتیں قبرستان جاتے ہیں قبروں پر پانی ڈالتے ہیں۔ قبروں کی لیپائی اور مرمت کرتے ہیں جو خلاف شرع کام ہیں۔ اس کے علاوہ انہی دنوں میں تعزیہ جلوس نکالتے ہیں، ماتم کرتے ہیں اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ کذاب کی گھڑی ہوئی واقعہ کربلا کی جھوٹی داستانیں بیان کرنا سننا اور سنانا وغیرہ یہ تمام شیعوں کے کام ہیں۔ ان تمام بدعات وخرافات پر علماء نے رد کیا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا مفتی رشید احمد گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ثواب میت کو پہنچانا بلاقید تاریخ کے (وقت مقرر کیے بغیر) اگر ہو تو عین ثواب ہے اور جب تخصیصات اور التزامات مروجہ ہوں تو نادرست اور باعث مواخذہ ہو جاتا ہے"۔

[فتاویٰ رشیدیہ: ۱۶۰]

"تقسیم صدقات بہ تخصیص ان ایام (محرم میں) کرنا اگر یہ جانتا ہے کہ آج ہی زیادہ ثواب تو بدعت ضلالہ (گمراکن بدعت) ہے علی ہذا تخصیص کسی طعام کی کسی یوم کرنا لغو ہے"۔

[فتاویٰ رشیدیہ: ۱۳۸]

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"محرم کے مہینے میں بالخصوص نویں، دسویں اور گیارہویں تاریخ میں کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں یہ طریقہ غلط ہے"۔

آگے لکھتے ہیں:

"ایصال ثواب میں اپنی طرف سے یہ قیود لگائی گئی ہیں، صدقے کی متعین صورت یعنی طعام، مہینہ متعین، دن متعین حالانکہ شریعت نے ان چیزوں کی تعین نہیں فرمائی آپ جب چاہیں جو چاہیں صدقہ کر سکتے ہیں۔ شریعت کی دی ہوئی آزادی پر اپنی طرف سے پابندیاں لگانا

سخت گناہ اور بدعت ہے بلکہ شریعت کا مقابلہ ہے"۔ [احسن الفتاوی: ۳۹۱/۱، ۳۹۲]

مولانا مفتی محمود حسن گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یہ پابندی بھی غلط او غیر ثابت ہے اگر سردی کا موسم ہو تب بھی شربت ہی پلایا جائے۔ایک غلط عقیدے کو بھی اس میں دخل ہے۔وہ یہ کہ حضرت امام حسین کے متعلق مشہور ہے کہ پیاسے شہید کئے گئے اور یہ شربت ان کے ہاں پہنچ کر ان کی پیاس بجھائے گا۔اس عقیدہ کی اصلاح ضروری ہے۔یہ شربت وہاں نہیں پہنچتا۔نہ ان کو شربت کی ضرورت ہے اللہ پاک نے ان کے لیے جنت میں اعلی سے اعلی نعمتیں عطاء کر رکھی ہیں جن کے مقابلے میں یہاں کا شربت کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔" [فتاوی محمودیہ: ۵۶۶/۵]

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"پانی پلانا کار ثواب اور نیکی کا کام ہے لیکن صرف عشرہ محرم کی تخصیص اور باقی دنوں میں اس عمل کو ترک کرنا ترجیح بلا مرجح اور روافض کا تشبہ ہے۔اس لیے یہ عمل بدعت اور قابل رد ہوگا۔" [خیر الفتاوی: ۱: ۵۶۹]

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شربت وشیرینی بوجہ رسوم مروجہ کے سب ناجائز ہیں۔" [عزیز الفتاویٰ: ۱۲۷]

"شیعوں کی مجلس میں شرکت کرنا درست نہیں اور شیرینی کھانا درست نہیں ہے جو مسلمان ایسے امر کا مرتکب ہوگا گناہ گار ہوگا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا حرام ہے خواہ تبرائی ہو خواہ غیر تبرائی"۔ [ص ۱۲۶]

شیخ الاسلام مولانا مفتی رشید احمد گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"محرم میں ذکر شہادت حسین کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں"۔[فتاوی رشیدیہ: ۱۲۹]

مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"بیان شہادت کے لیے انعقاد مجلس بدعت ہے ہاں وعظ وتذکیر کے لیے جائز ہے"۔

[کفایت المفتی: ۱۹۶/۱]

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اس مہینے میں دیگر خرافات کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں مجلس اور جلسے کئے جاتے ہیں جن میں شہادت کے قصے سنے سنائے جاتے ہیں۔۔۔۔ نیز یہ رونے رلانے کے واقعات جو ان مہینوں میں سنائے جاتے ہیں اکثر غلط ہیں اس لیے ان کا سننا تو ویسے بھی ناجائز ہے تاریخ پر اہل تشیع کا تسلط، ان تقیہ باز منافقین کا مسلمانوں میں گھس کر من گھڑت روایات کی اشاعت کرنا اور مسلمانوں کا آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت وعقیدت کی وجہ سے مظلومیت کی ہر داستان کو صحیح باور کرلینا یہ ایسے امور ہیں کہ ان کی وجہ سے واقعہ شہادت کی صحیح حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے حتی کہ بظاہر معتبر ومستند کتابوں میں مندرجہ تفاصیل بھی قابل اعتماد نہیں۔ اکثر روایات آپس میں تضاد اور عقل واصول شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے یقینا غلط ہیں، بلکہ نفس شہادت کے سوا اس کی تفصیل کا شائد ہی کوئی جزئیہ ایسا ہو جس کی صحت پر پورا اعتماد کیا جاسکے جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے والوں نے اپنی اس شقاوت پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی غرض سے جھوٹی روایات وضع کرنے میں اپنی مخصوص مہارت سے پورا کام لیا ہے"۔ [احسن الفتاوی: ۱/۳۹۳، ۳۹۲]

شیخ الاسلام مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ذکر شہادت کا ایام عشرہ محرم (محرم کے دس دن) میں کرنا بمشابہت روافض کے منع ہے اور ماتم نوحہ کرنا حرام ہے۔ فِی الْحَدِیْثِ نَھٰی عَنِ الْمَرَاثِیْ (الحدیث)۔ اور خلاف روایات بیان کرنا سب ابواب میں حرام ہیں"۔ [فتاویٰ رشیدیہ: ۱۳۸]

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قبروں کی لپائی کرنا، پانی ڈالنا خیر القرون میں ان جیسے کاموں کا کوئی ثبوت نہیں۔ اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو دین کے بہتر سمجھنے والے تھے۔ ان امور کے کرنے والے نہ تھے۔ پانی ڈالنا ایک بے ہودہ عمل ہے اور ناجائز ہے۔"

[امداد الفتاوی: ۲۸۹/۵]

ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو چوری کرنا

بعض علاقوں میں صفر کے مہینے میں آخری چہار شنبہ (بدھ) کو لوگ خاص کر عورتیں گھروں میں بڑے اہتمام سے ثرید (چوری) بناتی ہیں اور بعض لوگ اسی دن مٹھائی حلوا وغیرہ پکاتے ہیں اور اسے کار خیر سمجھ کر ثواب کی نیت سے تقسیم کرتے ہیں۔ ساتھ یہ خیال اور عقیدہ ہوتا ہے کہ اس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیماری سے صحت یاب ہوئے تھے اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہا نے شکر اور خوشی میں صدقہ کی نیت سے ثرید (چوری) بنا کر تقسیم کی تھی، حالانکہ اس کا شریعت، قرآن، سنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ اور آئمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ ایک بے اصل اور گمراہ کن بدعت ہے۔

اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو اس بیماری سے صحت یاب نہیں ہوئے تھے بلکہ وفات پاگئے تھے صفر کے آخری چہار شنبہ کو بیماری کا آغاز ہوا تھا۔ جیسا کہ سیرت کی کتب میں لکھا ہے اور اس پر یہود نے خوشی منائی تھی۔

شیخ الاسلام مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن جناب رسول اللہ کو شدت مرض واقع ہوئی تھی تو یہودیوں نے خوشی کی تھی وہ اب جاہل ہندیوں میں رائج ہو گئی"۔ [فتاوی رشیدیہ: ۱۶۹]

سوال: صفر کے آخری چہار شنبہ کو اکثر عوام خوشی و سرور وغیرہ اطعام الطعام کرتے ہیں۔ شرعاً اس باب میں کیا ثابت ہے؟

جواب: شرعا اس باب میں کچھ بھی ثبوت نہیں جہلاء کی باتیں ہیں۔ [فتاوی رشیدیہ: ۱۶۳]

مفتی اعظم ہند ابو حنیفہ ثانی مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس چوری کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

سوال: آخری چار شنبہ جو صفر کے مہینے میں ہوتا ہے اسکا کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں۔ کھانے پر فاتحہ دلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: آخری چار شنبہ کے متعلق جو باتیں مشہور ہیں اور جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں سب بے اصل ہیں۔ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا بے اصل ہے۔ [کفایت المفتی: ۱/۲۲۷]

مولانا مفتی محمود حسن گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ماہ صفر کے آخری چار شنبہ کو خوشی کی تقریب منانا مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعا بے دلیل ہے اس تاریخ میں غسل صحت ثابت نہیں۔البتہ شدت مرض کی روایت مدارج النبوۃ میں ہے۔(آگے لکھتے ہیں) یہ غلط طریقہ ہے اس سے بچنا لازم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس روز صحت پانا ثابت نہیں۔کوئی غلط بات منسوب کرنا سخت معصیت ہے۔بغیر نیت موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہیے"۔ [فتاویٰ محمودیہ:۴۱۱/۱۵]

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

سوال: سنا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جب لگی تو سب اناج کو جمع کرکے کھچڑہ پکایا یہ صحیح ہے یا نہیں؟اس کے علاوہ ماہ صفر میں آخری بدھ جو ہوتا ہے اس کی کیا اصل ہے سنا ہے کہ اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب تھی مجھے اس دن کیا کرنا چاہیے؟

جواب: دونوں باتیں بالکل بے اصل اور غلط ہیں بلکہ حدیث میں ماہ صفر کا کوئی خاص اہتمام کرنے کی مخالفت وارد ہے: قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامِ لَاهَامَّةَ وَلَاصَفَرَ مسلمان کا بڑا کام اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اتباع کرنے میں اس کو اچھی طرح علماء سے تحقیق کرے کہ یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں۔سنی سنائی باتوں سے اتباع کرنا بھی گناہ ہے۔

[امداد المفتین:۱۰۲۶]

فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سوال: ماہ صفر کے آخری بدھ کو بہترین کھانا پکانا درست ہے یا نہیں۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفا ہوئی تھی اس خوشی میں کھانا پکانا چاہئے یہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: یہ غلط اور من گھڑت عقیدہ ہے اس لئے ناجائز اور گناہ ہے۔[احسن الفتاوی:۳۶۰/۱]

رجب میں کونڈوں کی بدعت

بعض علاقوں میں لوگ ۲۲رجب کو کونڈوں کی بدعت کا اہتمام کرتے ہیں اوراس کو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ۲۲رجب کو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا یوم پیدائش یا یوم وفات ہے، اس لئے ہم یہ کونڈے دیتے ہیں۔ حالانکہ ۲۲رجب نہ امام صاحب کا یوم پیدائش ہے اور نہ یوم وفات۔ کیونکہ صحیح روایات کے مطابق جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸رمضان ۸۰ یا ۸۲ ھجری میں ہوئی اور وفات ۱۵شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔

حقیقت حال:

اصل بات یہ ہے کہ ۲۲رجب کے کونڈوں کی رسم اور بدعت مخالفین ودشمنانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شیعوں اور رافضیوں نے کاتبِ وحی، امیر المومنین، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں شروع کی، کیونکہ ۲۲رجب آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے جیساکہ البدایہ والنہایہ ۱۴۳/۸ وغیرہ میں ہے، لیکن اہل تشیع نے اصل حقیقت کو چھپایا اوراس رسم کو جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ برصغیر میں اس کی ابتدا ایسے ہوئی کہ ۱۹۰۶ء میں ریاست رام پور (یوپی) کے امیر مینائی لکھنوی شیعہ کے فرزند خورشید احمد مینائی نے "داستان عجیب" امام جعفر صادق کے نام پر گھڑ کر لکھی تھی اور لوگوں میں تقسیم کی۔ نواب رام پور نے اس افسانے کی اشاعت اور کونڈوں کی ترویج میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ وہاں کے سنی مسلمانوں نے بھی اس رسم کو نواب کی خوشنودی کی خاطر اپنانا شروع کیا۔ اور آہستہ آہستہ یہ رسم بد دوسرے علاقوں میں پھیلنا شروع ہو گئی۔ الغرض اہل تشیع نے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے کونڈوں کے نام پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یوم وفات پر سنی مسلمانوں کو دھوکہ دے کر غیر شعوری طور پر اس خوشی میں شریک کر دیا۔ علماء حق نے اس رسم اور بدعت کی مذمت کی ہے۔

شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کونڈوں اور رجبی کے بارے میں پوچھے گئے سوالات کے جواب میں فرمایا ہے کہ:

"یہ تعینات بدعتِ ضلالت ہیں اور طعام میں اگر نیت ایصال ثواب کی ہے تو طعام مباح اور صدقہ ہے اور جو بنام ان اکابر کے لئے تو داخل "مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" میں ہے اور حرام ہے"۔ [فتاویٰ رشیدیہ: ۱۳۷]

"ایصال ثوب بلا قید طعام وایام کے مندوب ہے اور قید وتخصیص یوم کی اور تخصیص طعام کی بدعت ہے۔ اگر تخصیص کے ساتھ ایصال ثواب ہو تو طعام حرام نہیں ہوتا گو اس تخصیص کی وجہ سے معصیت ہوتی ہے۔" [فتاوی رشیدیہ: ۱۳۸]

"ان دونوں امر کا التزام نادرست اور بدعت ہے اور وجوہ ان کے ناجواز کے اصلاح الرسوم، براہین قاطعہ میں درج ہیں فقط"۔ [فتاوی رشیدیہ: ۱۶۱]

مولانا مفتی عزیزالرحمان رحمۃ اللہ علیہ کونڈوں اور محرم کی کھچڑی وغیرہ کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ سب رسوم بدعت وضلالت ہیں۔ مرتکب ان رسوم کا بدعتی ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور اگر وہ ان رسوم کو نہ چھوڑے تو اس سے متارکت لازم ہے اور اگر عقائد ان کے حد کفر کو نہیں پہنچے تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن اچھا نہیں ہے۔ [عزیزالفتاوی: ۱۰۷]

مولانا مفتی رشید احمد لودھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"کونڈوں کی مروج رسم دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہار مسرت کے لیے ایجاد کی ہے۔ ۲۲رجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے (طبری۔استیعاب) ۲۲رجب کا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ اس دن ان کی ولادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ کی ہے اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لیے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب

کیاجاتاہے ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی اہل تشیع مسلمانوں سے مغلوب وخائف تھے،اس لیے یہ اہتمام کیا کہ شیرینی علانیہ تقسیم نہ کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو، بلکہ دشمنان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جاکر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھاگیاہے اور اس طرح اپنی خوشی ومسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔جب اس کاچرچاہواتواس کو حضرت جعفرصادق رحمۃاللہ علیہ سے منسوب کرکے یہ تہمت ان پر لگائی کہ انھوں نے خود اس تاریخ کواپنی فاتحہ کاحکم دیاہے حالانکہ یہ سب من گھڑت ہے۔مسلمانوں پرلازم ہے کہ ہر گزایسی رسم نہ کریں، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کرکے اس سے بچانے کی کوشش کریں"۔ [احسن الفتاوٰی:۱/۳۶۷،وکذافی فتاویٰ محمودیہ۔۱:۲۲۱۱]

حکیم الامت مولانااشرف علی تھانوی رحمۃاللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ماہ رجب کو عام لوگ "مریم روزے کاچاند" بھی کہتے ہیں اور اس کی ستائیس تاریخ میں روزہ رکھنے کو اچھا سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتاہے۔شرع میں اس کی کوئی قوی اصل نہیں،اگر نفل روزہ رکھنے کو دل چاہے تواختیار ہے،اللہ تعالیٰ جتنا چاہیں ثواب دیں،اپنی طرف سے ہزار یالاکھ مقررنہ سمجھیں،بعض جگہ اس مہینے میں تبارک کی روٹیاں بھی پکتی ہیں یہ بھی گھڑی ہوئی بات ہے،شرع میں اس کا کوئی حکم نہیں ہے اورنہ اس پر کوئی ثواب کا وعدہ ہے۔اس لئے ایسے کاموں کو دین کی بات سمجھناگناہ ہے"۔ [بہشتی زیور۳۴۸ حصہ ششم]

"بعض عورتوں کی عادت ہے کہ وہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی تاریخ میں کھیر پکا کر کونڈے بھرتی ہیں اور بچوں کو کھلاتی ہیں۔ایصال ثواب کے لئے تاریخ متعین کرنا اوراس میں غیر ضروری چیزوں کو ضروری سمجھناخلاف شرع ہے۔کونڈے بھرنے کا ثبوت شریعت میں کہیں نہیں ہے"۔ [نظام الفتاویٰ۱/۱۴۷۔اغلاط العوام۲۱۸]

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃاللہ علیہ کونڈوں کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"یہ کونڈوں کی رسم ایک ایسی ایجاد ہے جس کے لئے شریعت مقدسہ میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا اسے ترک کر دینا ضروری ہے۔ مگر اس کی حقیقت یہ نہیں کہ وہ کھانا حرام ہو جاتا ہے کھانا تو فی حد ذاتہ مباح ہے ہاں منع کرنے والے کو ان کونڈوں کا کھانا جا کر کھانا مناسب نہیں کہ اس کے اس اقدام سے فی الجملہ رسم کی بھی تائید ہوتی ہے۔ رشتہ داری اور دوستانہ کی وجہ سے بھی جا کر کھانا مناسب نہیں کہ یہ بھی ایک طرح کی مداہنت ہے"۔

[کفایت المفتی ۹:۷۹]

بہر حال یہ تمام وہ بدعات و رسومات ہیں جو ہمارے دین میں کہیں نہیں ملتیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و سلف صالحین رحمہم اللہ کی زندگی میں یہ تمام حالات، شادی و غمی، اولاد پیدا ہونا، فوتگی وغیرہ آئیں لیکن اُن سے اِن باتوں کا کوئی ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ قرآن، کتبِ حدیث اور تاریخ و سیَر صحیحہ میں ان کے کرنے کا وجود نہیں۔ تو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اُنھوں نے کبھی یہ کام نہیں کئے۔

عدمِ نقل نہ کرنے کی دلیل ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے کسی عمل کا عدم نقل اس کی دلیل ہے کہ انہوں نے وہ کام نہیں کیا اور اگر وہ کرتے تو ہم تک ضرور نقل ہو کر پہنچتا۔ عنایہ میں ہے کہ:

وَعَدَمُ النَّقْلِ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم يَدُلُّ عَلٰى عَدَمِ فِعْلِهٖ۔

[مجموعہ رسائل ومائتہ مسائل]

یعنی کسی عمل و چیز کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ احقاف کی آیت نمبر:۱۱ کی تفسیر میں لکھا ہے:

كُلُّ قَوْلٍ وَفِعْلٍ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ الصَّحَابَةِ فَهُوَ بِدْعَةٌ۔ [تفسیر ابن کثیر ۱۵۶/۴]

"ہر وہ قول و فعل جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے وہ بدعت ہے"۔

اس لیے ہمیں بحیثیتِ مسلمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کے اس طرح کی بدعات و رسومات سے بچنا اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر چلنا اور اس کی پابندی کرنی ہے۔ تاکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق بن جائیں کہ "میرے خلفاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو" صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کون ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یُحْیُوْنَ سُنَّتِیْ وَیُعَلِّمُوْنَهَا عِبَادَاللّٰهِ [جامع بیان العلم وفضلہ]

یعنی وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ رکھیں اور اسے اللہ کے بندوں کو بھی سکھائیں۔

اور ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بد دعا سے بھی محفوظ ہو جائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اَحْدَثَ فِیْ اُمَّتِیْ اَلْبِدَعَ وَ شُتِمَ اَصْحَابِیْ فَلْیُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ فَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ [اعتصام]

"جب میری اُمت میں بدعات پیدا ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو برا بھلا کہا جانے لگے تو عالِم کو اپنے علم کا اظہار (بیان سنت و رد بدعت اور دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) کرنا چاہیے (یہ اس پر واجب ہے)۔ پس جو ایسا نہیں کرے گا تو اُس پر اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو"۔

یقیناً آج وہی دور ہے کہ ایک طرف دشمنان صحابہ اور ان کے ہم نوا اصحابِ رسول پر رضی اللہ عنہم اجمعین (جو ہم مسلمانوں کے لیے معیارِ ایمان ہیں) تبراء اور سب و شتم کر رہے ہیں تو دوسری طرف قسم قسم کی بدعات و رسومات کو سنت کی جگہ دے رہے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ باتیں اس طرح عام ہو گئیں ہیں کہ ایک عام انسان کے لیے سنت اور بدعت کا امتیاز کرنا انتہائی مشکل ہو چکا ہے اور بدعت کو چھوڑ کر سنت کو اپنانا لوگوں کے ہاں دین کو چھوڑنے کے مترادف ہو چکا ہے۔

اگر ایسا ہے اور یقینا ہے کہ بدعات ورسومات کے کالے بادلوں نے سنت اور صحیح دین کو چھپایا ہوا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ کچھ مداہن قسم کے لوگ اپنے آپ کو عالم، مصلح اور مبلغ کہتے ہوئے مصلحتوں کے نام پر چپ بیٹھے ہیں۔ ایسے حالات کے پیش نظر دینِ اسلام اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے درد رکھنے والے، اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں شامل کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ میدان میں نکل کر سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا ہاتھ میں لیے ہوئے بدعات ورسومات کے خلاف جہاد کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے سنت طریقے پر عمل کرنے اور بدعات ورسومات سے بچنے کے ساتھ ساتھ سنت کی اشاعت اور بدعت کا رد کرنے کی توفیق عطا فرما کر صحیح موحد، متبع سنت مسلمان اور حقیقی اُمتی بنائے۔ آمین ثم آمین۔

کتابیات

(۱)	اُصول السنۃ	شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ
(۲)	ضیاء النور	ایضاً
(۳)	الانتصار	ایضاً
(۴)	راہِ سنت	مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب
(۵)	تذکرۃ الاخوان بقیۃ تقویۃ الایمان	مجاہد اسلام شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ
(۶)	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	مجاہد اسلام شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ
(۷)	اصلاح الرسوم	مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
(۸)	ردبدعات	شیخ عبدالجبار باجوڑی صاحب
(۹)	بدعت کیا ہے؟	علامہ عطاء اللہ بندیالوی صاحب
(۱۰)	الفرقان بین عبادۃ الرب وعبادۃ الشیطان	مولانا مفتی منیر شاکر صاحب
(۱۱)	سنت وبدعت	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۱۲)	یاحسرۃً علی العباد	شیخ ولی اللہ کابلگرامی
(۱۳)	الاعتصام	علامہ شاطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ
(۱۴)	کتاب الحوادث والبدع	علامہ طرطوشی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۵)	کتاب البدع والنھی عنھا	محمد بن وضاح رحمۃ اللہ علیہ قرطبیؒ اندلسی

اللھم تقبل منی ھذا بقبول حسن امین

بندہ ابو معاویہ محمد ایاز درانی

۴ صفر ۱۴۱۹ھ، ۹۸ / ۶ / ۱

ترمیم واضافہ: جنوری ۲۰۰۴ء، ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ